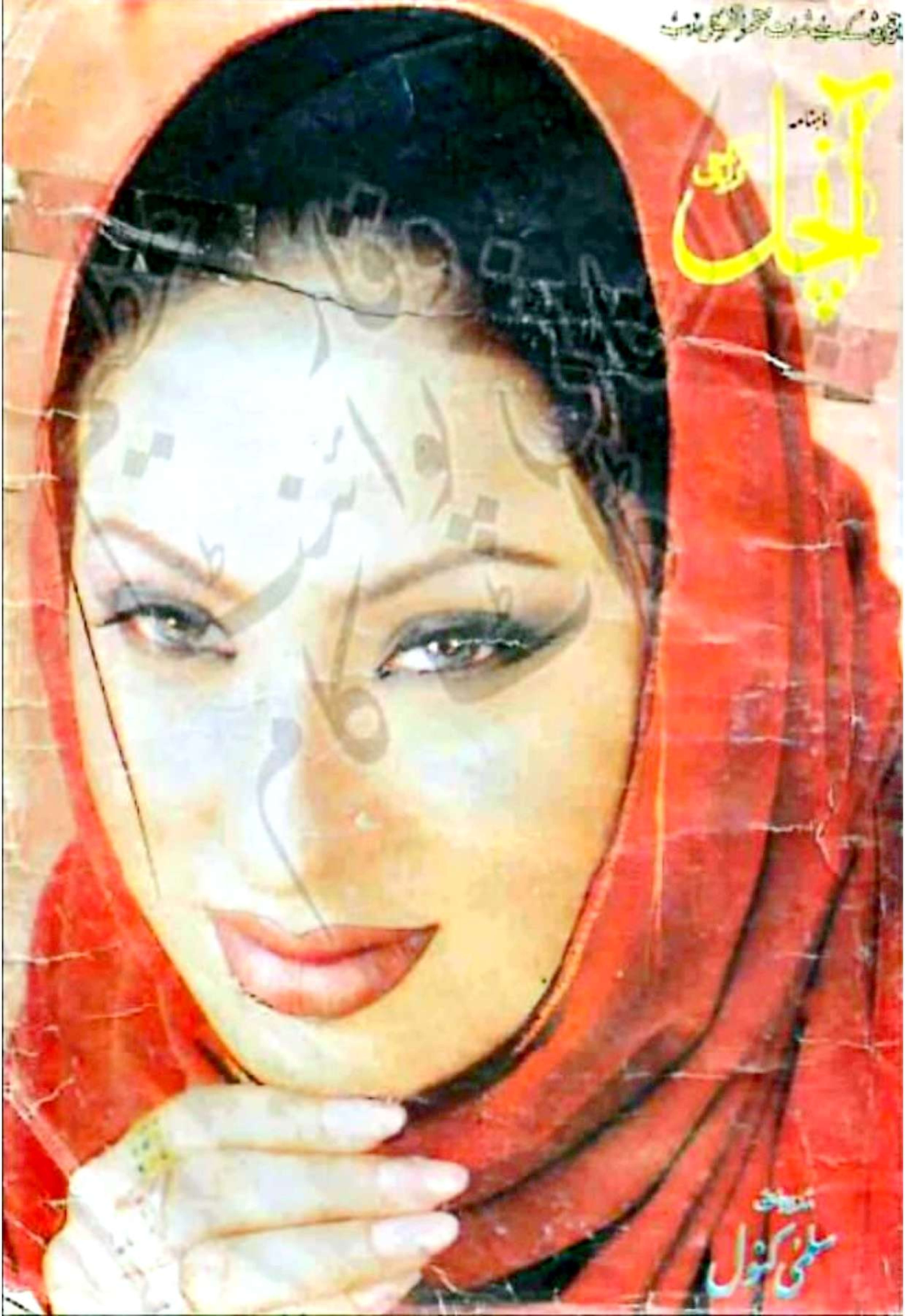
ماہنامہ
آنچل
سلمیٰ کنول

لوحِ جاں پہ لکھا کس کا نام

حنا ملک

Digest Novels Lovers Group ❤❤

اس قدر دل کو لگایا ہی نہیں تھا ہم نے
چھوڑنا چاہا تو ہنستے ہوئے چھوڑا ہم نے
موت کی آنکھوں میں ڈالے ہوئے آنکھیں جینا
زندگی قرض ترا یوں بھی اُتارا ہم نے

"کی بورڈ پر اس کی انگلیاں تیزی سے چل رہی تھیں۔ وہ پورے انہماک سے اپنے کام میں مصروف تھی۔ دھڑام سے دروازہ کھلا تو وہ اچھل ہی پڑی۔ حسب توقع اندر آنے والی سائرہ تھی۔

"سائرہ کبھی تو آرام سے آجایا کرو۔ تمہاری آمد پر طوفان کی آمد کا گمان ہونے لگتا ہے۔"

"اُفوہ اب تم لیکچر دینے نہ بیٹھ جانا۔" وہ دھپ سے بیڈ پر گر گئی۔

"کوئی کام تھا کیا؟" مریم نے مصروف سے انداز میں مانیٹر پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" سائرہ مصنوعی حیرانی سے گویا ہوئی۔

"بھئی تمہاری آمد بغیر کسی مقصد کے نہیں ہو سکتی۔ اب یہ تو ناممکنات میں سے ہے کہ تم کالج سے آنے کے بعد ٹی وی کی جان چھوڑ دو۔"

"ہاں ہاں ہمیں معلوم ہے کہ تم بی پڑھاکو ہو۔ اب ہم تو ٹھہرے سدا کے نکمے اور نرے جاہل۔ بھئی بات ہے سیدھی مجھ سے کالج سے آنے کے بعد کتابوں سے سر نہیں کھپایا جاتا۔ اتنا پڑھنے کا فائدہ۔ کرنا تو ہمیں وہی ہانڈی چولہا ہے اور ریں ریں کرتے بچے سنبھالنے ہیں۔" وہ ایسی ہی منہ پھٹ تھی۔ جو منہ میں آتا بولے چلی جاتی تھی۔

"لاحول ولا۔ سائرہ شرم کرو۔ کچھ سوچ سمجھ کر بولا کرو۔" مریم نے جھڑکا۔

"اچھا بس اب بڑی اماں بننے کی کوشش نہ کرو اور ہاں باتوں باتوں میں تو میں بھول ہی گئی کہ میں آئی کس مقصد کے لیے تھی۔"

"ہاں کہو۔"

"پلیز ذرا میرے ساتھ مارکیٹ تک چلو۔ ایک دو سوٹ پیس خریدنے ہیں اور ندا کے لیے گفٹ بھی تو لینا ہے۔"

"میرے پاس بالکل بھی ٹائم نہیں ہے۔ کل مجھے اسائنمنٹ جمع کروانی ہے اور میرا کافی کام رہتا ہے۔" مریم نے صاف انکار کر دیا۔

"توبہ کیسی بے مروت لڑکی ہو پلیز چلی چلو ناں۔" وہ اس کی منت سماجت پر اتر آئی۔ تو مریم کو مجبوراً کمپیوٹر آف

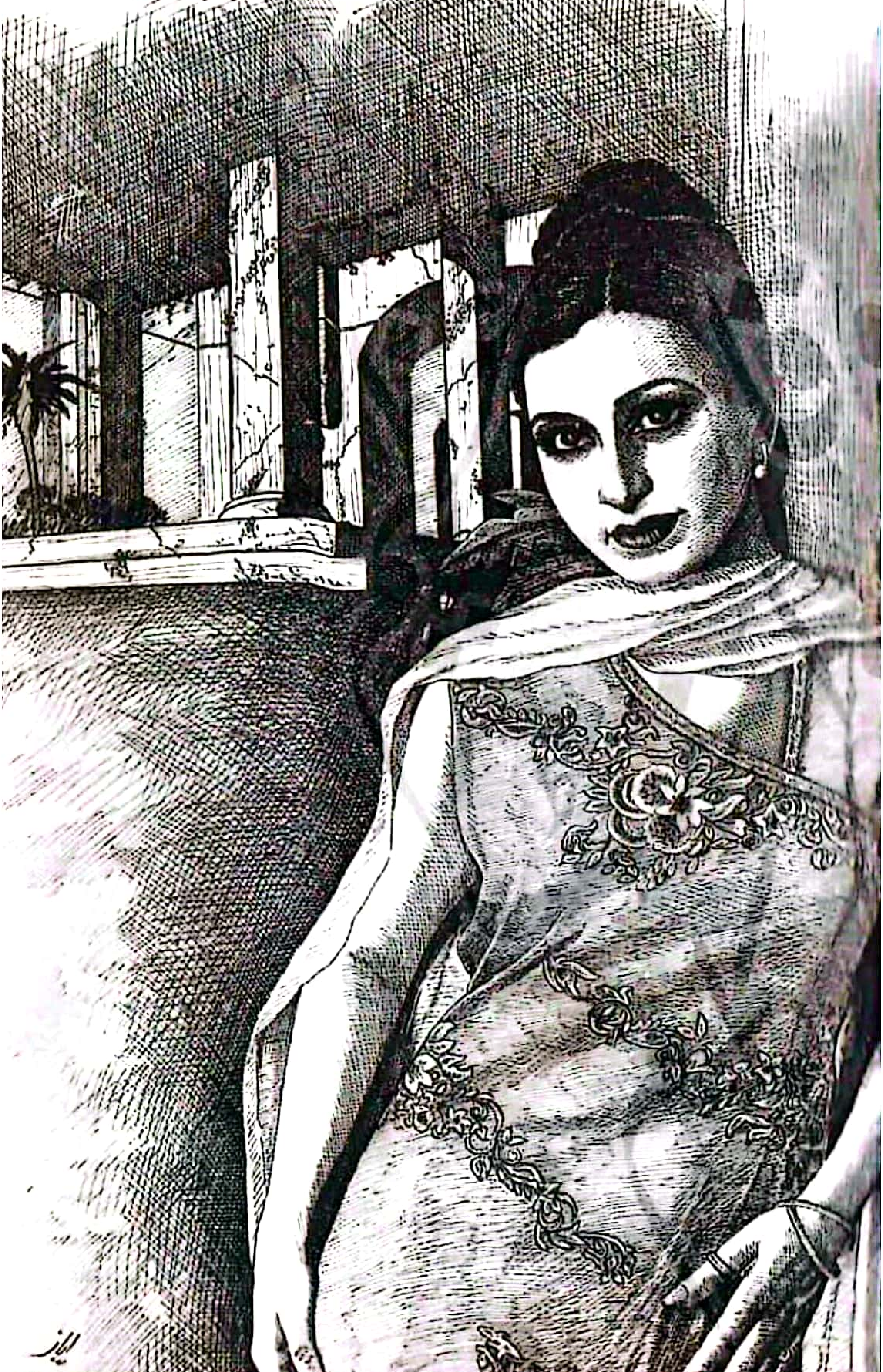

کر کے اس کا ساتھ دینا پڑا۔

ندا عائشہ پھوپو کی بیٹی تھی۔ اس کا برتھ ڈے تھا تو حسب معمول سب ہی اکٹھے تھے۔ سب کے گھر قریب قریب تھے جس کا فائدہ یہ تھا کہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں مل کر منائی جاتی تھیں۔ کسی کا برتھ ڈے ہو یا تعلیمی میدان میں کامیابی کی خوشی ہو۔ سب مل کر مناتے اور یوں سب کے اکٹھے ہونے پر چھوٹی سی تقریب کا اہتمام ہو جاتا۔ شہر کے پوش علاقے میں تینوں بہن بھائیوں کے بنگلے ایک ہی لائن میں ساتھ ساتھ بنے ہوئے تھے۔ حسن رضا گردیزی اس خاندان کے سربراہ تھے۔ دونوں بیٹوں حیدر رضا اور علی رضا کی شادیاں اپنی سگی بھانجیوں سے کی تھیں۔ دونوں بہنیں تھیں تو بلا کا حسن سلوک تھا۔ اکلوتی بیٹی عائشہ کی شادی اپنے بھتیجے سے کی تھی جو بدقسمتی سے شادی کے آٹھ برس بعد دل کے عارضے میں مبتلا ہو کر داغ مفارقت دے گئے تھے۔ تینوں بہن بھائیوں کی اولادیں بھی حسن سلوک اور پیار و اخلاق کی زنجیروں میں بندھی ہوئی تھیں۔

سب عائشہ پھوپو کے گھر پر جمع تھے۔ ولید کا انتظار ہو رہا تھا۔ اس لیے ابھی تک کیک نہیں کاٹا گیا تھا۔ حماد نے دوبار ولید کے پرسنل سیل پر رنگ کیا مگر کوئی رسپانس نہ ملا۔ اس کا موبائل آف تھا۔

”ندا بھئی اب کیک کاٹ لو۔ ولید تو جانے کب آئے۔“ سائرہ نے کہا۔ اس کا پسندیدہ آئس کریم کیک تھا اور اب اس سے رہا نہیں جا رہا تھا۔ سائرہ کے کہنے پر ندا نے برا سا منہ بنایا۔ تبھی ولید سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ اسے تو یاد بھی نہیں تھا کہ آج ندا کی سالگرہ تھی۔ گیٹ سے ہی چوکیدار نے لوٹا دیا تھا کہ سب عائشہ پھوپو کے ہاں جمع ہیں۔ تب اسے یاد آیا تھا کہ آج ندا کی سالگرہ ہے۔

”السلام علیکم!“ اس نے سب کو مشترکہ سلام کیا اور پھر کسی کے پوچھنے سے پہلے ہی اپنے دیر سے آنے کی وضاحت کی۔ ”سوری بھئی آج آفس میں کام زیادہ تھا اس لیے دیر ہوگئی۔“

”موبائل بھی آف کر رکھا تھا جناب نے۔“ حماد نے یاد دلایا۔

”بیٹری ڈاؤن ہوگئی تھی۔“

”اچھا چھوڑو۔ جلدی سے کیک لاؤ تاکہ اس کا آپریشن کیا جاسکے۔“ فہد کے کہنے پر مائرہ کیک لینے دوڑی۔ کیک کٹنے کے بعد ڈنر کیا گیا۔ ینگ جنریشن نے لان میں محفل جمالی۔

”بھئی آج تو بیت بازی کو جی چاہتا ہے۔ بڑے بڑے باذوق یہاں موجود ہیں۔“ حماد نے اعلان کیا تو سب نے اس کی تائید کی۔ دو ٹیمیں بنالی گئیں۔ ایک طرف لڑکے تو دوسری طرف لڑکیاں۔ لڑکوں میں ولید، حماد، فہد اور جنید بھائی شامل تھے اور لڑکیوں کی ٹیم مریم، ندا، سائرہ، مائرہ، فائقہ بھابی اور شازیہ پر مشتمل تھی۔ شازیہ پڑوس میں رہتی تھی اور ندا سے اچھی دوستی تھی۔ جنید عائشہ پھوپو کے دیور کا بیٹا تھا اور فائقہ اس کی بیوی تھی۔ ڈیڑھ سال ہوا تھا ان کی شادی کو۔ جنید الیکٹریکل انجینئر تھا۔ اس کا ٹرانسفر ملتان سے لاہور ہو گیا تھا۔ اسی سلسلے میں وہ عائشہ پھوپو کے ہاں مقیم تھا۔

”[illegible] ہی شروع کرتے ہیں۔ پانچ سیکنڈ کے اندر اندر شعر کا جواب دینا ہے ورنہ آپ ہار جائیں گے۔“ فہد نے مقابلہ شروع کرنے کا اعلان کیا۔

پریت میں بجوگ بھی ہے، کامنا کا سوگ بھی ہے
پریت پورا روگ بھی ہے، گلے تو لگاؤ نا

ندا نے جھٹ شعر پڑھا۔ نگاہیں ولید پر مرکوز کیے وہ گویا اپنا حال دل بیان کر رہی تھی اور تو کوئی سمجھ نہ سکا مگر ولید سمجھ کر بھی انجان بن رہا تھا۔ کچھ عرصے سے وہ ندا کی نگاہوں میں لکھی تحریر اور نظروں کے پیام سمجھنے لگا تھا اور اس پر اسے ندا پر غصہ آیا تھا۔ ایک لڑکی ہو کر وہ ایسی حرکتیں کر رہی تھی۔ یوں بھی وہ ندا کی حوصلہ افزائی بالکل نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس نے لڑکپن سے آج تک صرف ایک ہی لڑکی کو چاہا تھا۔ نظریں خود بہ خود سرخ و سفید پرنٹ کے لان کے سوٹ میں ملبوس مریم پر جا ٹھہریں۔ ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ لیے وہ ماحول کی خوب صورتی میں اضافہ کر رہی تھی اور پھر چند روز پہلے کا واقعہ اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔ مریم ٹیرس پر بیٹھی چائے سے لطف

digest-library.com

...ورہی تھی جب وہ چلا آیا تھا۔
'' اکیلے اکیلے چائے پی جارہی ہے۔'' ولید کی آواز پر وہ پلٹی تھی۔
'' ارے ولید بھائی آپ!''
'' کیا سوچا جارہا تھا جناب؟'' وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔
'' کچھ نہیں۔''
'' پڑھائی کیسی جارہی ہے؟'' وہ آیا تو حال دل بیان کرنے آیا تھا مگر گفتگو کا آغاز نہایت ہی غیر رومینٹک تھا۔
'' بالکل ٹھیک آپ چائے پئیں گے؟''
'' نہیں۔'' وہ ایکدم چپ سا ہو گیا سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بات کس طرح شروع کرے۔ آج کل امی کو اس کی شادی کی فکر ہونے لگی تھی تو اس نے سوچا ماں باپ کو اپنی پسند سے آگاہ کرنے سے پہلے کیوں نہ مریم سے بات کرلی جائے۔
'' ولید بھائی! کوئی کام تھا کیا؟'' مریم کے کہنے پر وہ چونکا۔ گہری مخمور نگاہیں ایک پل کو اس کے چہرے پر ڈالیں۔ ہریا سے پاک روشن چہرہ زندگی سے بھرپور پراعتماد اور ہیرے کی کنی کی طرح چمکتی آنکھوں والی یہ لڑکی بہت خاموشی سے اس کے دل پر قبضہ کرچکی تھی۔
'' مریم!'' گمبھیر لہجے نے مریم کو بھی چونکایا۔'' اگر میں تم سے میرا مطلب ہے اگر میں امی بابا کو تمہارے گھر بھیجوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟''
'' اس میں اعتراض کی کیا......'' وہ ایکدم بولی تھی پھر سمجھ آنے پر یکلخت خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگی تھی۔
'' آ......آپ......ولید بھائی......مم......میں......''
وہ بے ربط سی ہوگئی تھی۔
'' تم مجھے اچھی لگتی ہو اور میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ ایک لمحے کو رکا۔ '' تم سوچ لو اس بارے میں۔ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ مجھے امید ہے کہ تمہارا جواب مثبت ہوگا۔'' وہ یہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔ مریم اتھل پتھل ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالتی وہیں بیٹھی رہ گئی۔ ولید کی وارفتہ اور گہری نگاہیں اور یوں غیر متوقع اظہار نے اس کی دھڑکنوں کو منتشر کردیا تھا۔ اپنے احساسات کی تبدیلی پر وہ حیران ہورہی تھی اور آج تیسرا دن تھا۔ دل تو کب کا آمادگی ظاہر کرچکا تھا مگر ابھی تک زبان سے اس نے ولید کو کوئی جواب نہیں دیا تھا۔
'' ولید یار کہاں گم ہو؟ کوئی شعر بتاؤ ورنہ ہم ہار جائیں گے۔'' حماد کی آواز پر وہ حال میں لوٹا۔ بیت بازی پورے جوش وخروش سے جاری تھی۔

رکے تو گردشیں اس کا طواف کرتی ہیں
چلے تو اس کو زمانے ٹھہر کے دیکھتے ہیں

جو سوچ رہا تھا وہی اس کی زبان سے ادا ہوا۔ مریم پر ایک سرسری سی نظر ڈال کر ہٹالی اور اسی ایک نظر میں وہ مریم کا سرخ ہوتا چہرہ بہ خوبی دیکھ چکا تھا۔

مجھ کو دشمن کے ارادوں پہ بھی پیار آتا ہے
تیری الفت نے محبت میری عادت کردی

ندا نے فوراً جواب دیا تھا۔

گلوں میں رنگ بھرے باد نو بہار چلے
چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے

حماد نے شعر پڑھا۔
'' بھئی یہ کس کے آنے کا ذکر کیا جارہا ہے؟'' جنید بھائی نے کہا۔
'' شاہ زر بھائی کا۔'' مائرہ نے برجستہ کہا۔ تو قہقہہ پڑا۔ شاہ زر عائشہ پھوپو کا اکلوتا بیٹا تھا اور تعلیم کے سلسلے میں پچھلے چار سال سے امریکہ میں مقیم تھا۔

قفس اداس ہے یارو صبا سے کچھ تو کہو
کہیں تو بہر خدا آج ذکر یار چلے

بالکل اچانک ہی مریم کے لبوں سے شعر ادا ہوا تھا۔
ندا نے عجیب سرسراتی ہوئی نگاہ مریم پر ڈالی تھی۔ جانے کیسے وہ یہ بھید پاگئی تھی کہ ولید مریم میں دلچسپی لینے لگا ہے

وہ عشق بہت مشکل تھا آسان نہ تھا یوں جینا بھی
اس عشق نے زندہ رہنے کا مجھے درس دیا پندار دیا

اب کی بار جواب فہد نے دیا تھا۔

جان پہ ہم بھی سہہ جاتے ہیں
لیکن ایک تم کو تو ہو

شازیہ نے شعر پڑھا تو فہد کو کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ حماد نے برا سا منہ بنا کر فہد کی کمر پر دھپ رسید کی۔ سب

جانتے تھے کہ شازیہ بی بی کیسی میٹھی میٹھی نظروں سے حماد کو تکا کرتی تھیں اور یہ شوشا فہد کا ہی چھوڑا ہوا تھا کہ دراصل شازیہ نے ندا سے دوستی بھی اسی مقصد کے لیے کی تھی تاکہ اس گھرانے کے قریب رہا جائے۔

”اصولاً تو اسے مجھ سے دوستی کرنی چاہیے تھی کیونکہ حماد میرا بھائی ہے۔“ یہ مریم کا قول تھا۔

سنا ہے اس کے لبوں سے گلاب جلتے ہیں
سو ہم بہار پہ الزام دھر کے دیکھتے ہیں

حماد کی شامت آئی جو وہ یہ شعر پڑھ بیٹھا۔ واہ واہ اور مکرر مکرر کی آوازوں سے لان گونج اٹھا۔ شازیہ بی بی بیر بہوٹی بن گئی تھیں۔ سب سے اونچا قہقہہ سائرہ کا تھا۔ حماد نے گھور کر اسے دیکھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔

یہ تنک مزاجی تو خیر اس کی فطرت ہے
ورنہ اس نے چاہت بھی ہم کو انتہائی دی

فائقہ بھابی نے مسکراتی نظروں سے اپنے شوہر نامدار کو دیکھا۔ بے چاری بھابی ہر دم جنید بھائی کے غصے اور مصروفیت سے نالاں رہتی تھیں مگر محبت بھی ٹوٹ کر کرتی تھیں۔

عزیز اتنا ہی رکھو کہ جی سنبھل جائے
اب اس قدر بھی نہ چاہو کہ دم نکل جائے

جنید بھائی نے برجستہ جواب دیا تو زبردست قہقہہ پڑا۔ فائقہ بھابی گلنار ہو گئیں۔

محبتوں میں عجب ہے دلوں کو دھڑکا سا
کہ جانے کون کہاں راستہ بدل جائے

مریم نے ایک پل کو بھی ولید کی طرف نگاہ نہ کی کیونکہ جانتی تھی وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔ سب میں جوش و خروش بڑھتا جا رہا تھا کہ سبھی یہاں باذوق اور ادب سے لگاؤ رکھنے والے تھے۔

بس اب کرنا تو اک بار قیامت کرنا
ہم سے ہوتا نہیں ہر روز کا جینا مرنا

ولید کا جواب اور اس میں چھپا سوال صرف مریم ہی سمجھ سکی تھی۔

غنیمت ہے کہ ہنس کر بات کر لیں
ہمیں مت چھیڑیئے ہم سر پھرے ہیں

مریم نے برجستہ شعر پڑھا۔

”بھئی یہ شعر تو ندا کو پڑھنا چاہیے تھا۔“ جنید بھائی نے ٹکڑا لگایا تو سبھی ہنس دیئے۔ ندا کی تنک مزاجی اور غصیلی طبیعت سے سبھی واقف تھے۔

جان من جان تمنا

شازیہ نے شعر پڑھنا شروع کیا۔

تھلے آ تیری تون بھناں (نیچے آ تیری گردن توڑوں)

فہد کے ٹکڑا لگانے پر مریم اور ساتھ ہی حماد نے بھی اسے گھورا۔

”یہ بدتمیزی ہے۔“ شازیہ بے چاری روہانسی ہو گئی۔ پھر سب نے لاکھ کہا کہ وہ اپنا شعر مکمل کرے مگر وہ کس سے مس نہ ہوئی اور خفا ہو کر اٹھ کر چلی گئی۔ اس کے جانے پر بھی نے فہد کو حسب توفیق لعن طعن کی اور وہ ڈھیٹ بنا ہنستا رہا۔ اسی لمحے حماد کا موبائل بج اٹھا۔

”اچھا میں تو چلا۔ مجھے اسپتال جانا ہے۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ آج کل ہاؤس جاب کر رہا تھا۔

ہمیں بھی خبر ہے کہ ہوا کا مزاج رکھتے ہو
مگر یہ کیا کہ ذرا دیر کو رکے بھی نہیں

سائرہ نے برجستہ شعر پڑھا تو حماد نے ایک لمحے کو رک کر مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

رستہ بدل کر دیکھیں گے اور وہ بدل کر دیکھیں گے
زور رنج ہے اس شہر کی فضا ہم آب و ہوا بدل کر دیکھیں گے

حماد شعر پڑھتا آگے بڑھ گیا اور پھر یوں ہنسی مذاق میں یہ خوب صورت شام اپنے جلو میں چند یادیں لیے اپنے اختتام کو پہنچی۔

○☆○

حیدر رضا بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ ولید سائرہ اور مائرہ ان کی اولاد تھے۔ پھر عائشہ پھوپو تھیں۔ اکلوتا بیٹا شاہ زر امریکہ میں تھا۔ باہر سے ڈگری لینا اس کا جنون تھا۔ سو بیٹے کے آگے عائشہ کی ایک نہ چلی اور وہ چلا گیا۔ ندا شاہ زر سے چھوٹی تھی۔ حسن رضا عائشہ کے ہاں رہا کرتے تھے۔ علی رضا سب سے چھوٹے تھے۔ حماد مریم اور فہد بالترتیب ان کی اولاد

digest library.com

ہے۔

شاہ زر کا خط آیا تھا جس میں اس نے اپنے پاکستان آنے کی خوش خبری دی تھی۔ عائشہ پھوپو کے تو مارے خوشی کے پیر ہی زمین پر نہ ٹکتے تھے۔

"اُفوہ! کیا مصیبت ہے۔ کچھ سنائی ہی نہیں دے رہا۔" سائرہ نے جھلا کر کہا۔ وہ کافی دیر سے دادا جان کے کمرے کی کھڑکی سے کان لگا کر اندر ہونے والی گفتگو سننے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ گھر کے سارے بڑے کافی دیر سے اندر موجود تھے۔

"ایسی کون سی خاص بات ہے جو ہم سے خفیہ رکھی جا رہی ہے۔" سائرہ بڑبڑائی۔

"تمہیں اس قدر جستجو کیوں ہو رہی ہے۔ بڑوں کا کوئی آپس کا معاملہ ہوگا۔" مریم نے میگزین کی ورق گردانی کرتے ہوئے کہا۔

"عادت سے مجبور ہے بے چاری۔" ندا نے نخوت سے کہا۔ وہ فیشن میگ اپنے سامنے پھیلائے بیٹھی تھی۔ سائرہ کے تو تلووں سے لگی سر پر جا کر بجھی۔

"کون سی عادت؟ آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"جو میں کہنا چاہتی ہوں وہ تو تم سمجھ ہی چکی ہو۔" ندا استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔

"ندا! اپنی حد میں رہو۔ تم بدتمیزی کر رہی ہو۔" سائرہ بری طرح تپ گئی تھی۔

"سائرہ! کول ڈاؤن' ندا پلیز چھوٹی سی بات پر تم لوگوں نے لڑنا شروع کر دیا ہے۔" مریم نے بیچ بچاؤ کروانا چاہا۔

"لڑائی میں نے نہیں اس نے شروع کی ہے۔" سائرہ نے کہا۔

"ندا تم سوچ سمجھ کر بولا کرو۔ غلطی تمہاری بھی ہے۔" مریم کے کہنے پر ندا کے تو گویا پتنگے لگ گئے۔

"مریم! تم زیادہ بی نصیحت مت بنو۔ مجھے تمہاری نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہے' ہونہہ۔" وہ پیر پٹختی اٹھ کر چلی گئی۔

"دیکھا تم نے' کیسی بدتمیز اور بد دماغ ہے یہ لڑکی۔" سائرہ کو اتنا غصہ شاید پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔

"اچھا چھوڑو ناں پتا تو ہے اس کی عادت کا۔ تم خواہ مخواہ اپنا خون مت جلاؤ۔" مریم نے بات سمیٹی۔

"میں گھر جا رہی ہوں۔ تمہیں چلنا ہے یا یہیں بیٹھنا ہے۔" سائرہ جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں چلتی ہوں میں بھی۔" وہ اس کے ساتھ ہی چل پڑی۔ تینوں گھروں کے درمیان اگرچہ دیواریں تھیں مگر اندر ہی اندر سے ایک دوسرے کے گھروں میں آنے جانے کے لیے دروازے بھی رکھوائے گئے تھے۔ سائرہ اور مریم لاؤنج میں بیٹھ گئیں۔

"تم بیٹھو میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔ سر میں درد ہو کر رہ گیا ہے۔" سائرہ اٹھ کر چلی گئی۔ مریم یونہی چینل سرچنگ کر رہی تھی جب ولید آ گیا۔ مریم کو دیکھ کر لبوں پر خود بہ خود مسکان بکھر گئی۔

"ارے ولید بھائی آپ۔" وہ حیران ہوئی تھی۔

"اس میں حیرانی کی کیا بات ہے۔" وہ صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔

"میرا مطلب تھا آپ آج آفس نہیں گئے۔"

"طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اس لیے آج گھر پر رک گیا۔"

"کیوں کیا ہوا؟" وہ پریشان سی ہو گئی تو ولید کے لب خود بہ خود متبسم ہو گئے۔

"بس یونہی۔"

"دوا لی آپ نے؟" ولید کے بولنے سے پہلے ہی وہ بول اٹھی۔ تو وہ مسکرا دیا۔

"محبت کے مریض کی دوا اقرار میں پنہاں ہے۔"

اس کے ایکدم پٹری سے اترنے پر مریم سٹپٹا گئی۔ وہ گھبرا کر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں بھاگ رہی ہو۔ جواب تو دیتی جاؤ۔" وہ آج بری پھنسی تھی۔ ولید تو کسی طور اسے بخشنے پر آمادہ نہیں تھا۔

"آج تو میں جواب لے کر رہوں گا۔" وہ اٹھ کر اس کے عین پیچھے آ کھڑا ہوا۔

"آ...... آپ میرا جواب جانتے تو ہیں پھر......"

مریم نے بہ مشکل اپنی اتھل پتھل ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالا تھا۔ اس نے ایک نظر لاؤنج کے داخلی دروازے پر ڈالی۔

سائرہ کچن میں تھی اگر وہ آ گئی تو کیا سوچے گی۔" وہ دل ہی دل میں خود سے مخاطب تھی۔

"میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔

کتنا ہی بوجھل ہو دل کو ایکدم ہلکا کر دیتی ہے
اس کی ایک نظر پل بھر میں سب اچھا کر دیتی ہے

وہ یہ کہہ کر رکی نہیں تھی اور باہر نکلتی چلی گئی تھی۔ ولید نے اس کی اس ادا پر جاندار قہقہہ لگایا۔

"ارے یہ مریم کہاں گئی اور بھائی آپ کس بات پر یوں ہنس رہے ہیں؟" سائرہ کی اچانک آمد پر ولید نے بوکھلا کر اپنی مسکراہٹ کو روکا تھا۔

"ہاں وہ پتا نہیں۔" وہ واپس اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"ارے یہ بھائی کو کیا ہوا؟" سائرہ حیران پریشان سی ہاتھ میں چائے کے دو مگ تھامے کھڑی تھی۔

"مریم! ابھی تک جاگ رہی ہو۔" ثانیہ بیگم نے مریم کے کمرے میں جھانکا۔

"ارے امی آ جائیے۔" اس نے کتاب بند کر کے ایک طرف رکھی۔

"کیا کر رہی ہو؟"

"یونہی نیند نہیں آ رہی تھی تو سوچا کتاب پڑھ لوں۔"

"تم سے کچھ بات کرنا تھی مجھے۔"

"جی امی کہیے۔"

"آج صبح تمہارے دادا جان نے ہم سب کو بلوایا تھا۔" ثانیہ بیگم نے بات جاری رکھی۔ "انہوں نے چند فیصلے کیے ہیں جو باہم مشاورت سے سب نے قبول کر لیے ہیں۔ چونکہ اب گھر کے بھی بچے شادی کے لائق ہو چکے ہیں۔ اس لیے انہوں نے سب کے رشتے طے کر دیے ہیں۔" مریم دم سادھے ماں کی بات سن رہی تھی۔ اسے پوری امید تھی کہ اس کے جیون ساتھی کا فیصلہ ولید کے حق میں کیا گیا ہوگا مگر پھر بھی دل میں ایک دھڑکا سا تھا۔

"حماد کے لیے سائرہ کا رشتہ طے ہوا ہے۔"

"ارے یہ تو بہت خوشی کی خبر ہے۔" مریم کو بے پناہ خوشی ہوئی تھی۔

"مائرہ فہد سے بڑی ہے۔ اس لیے یہ رشتہ تو طے نہیں ہو سکتا۔ ہاں دو اور رشتے بھی طے کیے گئے ہیں۔ میری چاندی کی گڑیا کے لیے پردیسی شہزادے کا انتخاب ہوا ہے۔" اور ہفت آسمان مریم کے سر پر آن پڑے تھے۔ وہ بے یقینی سے منہ کھولے ماں کو دیکھ رہی تھی۔

"شاہ زر کے آنے پر سب کی منگنی کر دی جائے گی۔ ولید کے لیے ندا کا رشتہ......" ثانیہ بیگم اور بھی پتا نہیں کیا کیا کہہ رہی تھیں۔ مریم کو لگا اس کا دل بند ہو جائے گا۔

"اب تم سو جاؤ رات بہت ہو گئی ہے۔" ثانیہ بیگم پیار سے اس کا سر تھپکتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ مریم ریت کی دیوار کی طرح بستر پر ڈھے سی گئی۔ یہ سب کیا ہو گیا تھا۔ سب کچھ الٹا ہو گیا تھا۔ ہواؤں نے اپنا رخ بدل لیا تھا۔ آسمان نیچے گر پڑا تھا اور زمین الٹ کر سر پر لٹک گئی تھی۔

"اللہ یہ کیا ہو گیا۔ میرے مالک میرے حال پر رحم کر۔ مجھ پر اتنی کڑی آزمائش مت ڈال۔" اسے پتا بھی نہ چلا اور آنسو پلکوں کے بند توڑ کر بہہ نکلے۔

سب لوگ ناشتے کی میز پر ولید کا انتظار کر رہے تھے مگر وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔

digest library.com

"ولید ابھی تک جوگنگ کر کے نہیں لوٹا؟" حیدر رضا نے منزہ بیگم سے دریافت کیا۔

"پاپا! بھائی تو آج جوگنگ کے لیے گئے ہی نہیں۔" سائرہ نے دھیمی سی آواز میں جواب دیا۔ منزہ بیگم پریشان ہو گئیں

"اتنی دیر تک تو وہ کبھی بھی نہیں سوتا۔ کہیں اس کی طبیعت تو خراب نہیں ہے۔" وہ کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ جبھی سامنے سے ولید آتا دکھائی دیا۔

"السلام علیکم۔" عجب نروٹھے سے انداز میں سلام کرتا وہ بیٹھ گیا۔ منزہ نے بڑے غور سے بیٹے کی اتری ہوئی شکل دیکھی۔ آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی لگ رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ رات بھر جاگتا رہا ہو۔

"ولید! بیٹے ناشتہ تو ڈھنگ سے کرو۔" اسے صرف چائے پی کر اٹھتے دیکھ کر منزہ نے ٹوکا۔

"مما! مجھے بھوک نہیں ہے۔ میں چلتا ہوں آفس

...وری ہے۔ اللہ حافظ۔" لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ ...روم سے باہر نکل گیا۔

"...حیدر! آپ نے نوٹ کیا ولید کا یہ رویہ، کل رات سے وہ کچھ بجھا بجھا دکھائی دے رہا ہے۔"

"یعنی آپ کہنا چاہتی ہیں کہ اپنا رشتہ طے ہوجانے پر ...بیزاری کا ردعمل ظاہر کررہا ہے۔"

"جی ہاں۔" ماں باپ کی گفتگو کے دوران سائرہ اور ...ارہ خاموش بیٹھی تھیں۔ ان دونوں کو بھی بڑوں کا یہ فیصلہ پسند نہیں آیا تھا۔ اپنے اکلوتے بھائی کے لیے تو ان کے ذہن میں ہمیشہ سے مریم ہی تھی۔ ندا اپنی تنک مزاجی اور مغرور الوفطرت کی وجہ سے ایک آنکھ نہ بھائی تھی مگر ہائے ... یہ بڑوں کے فیصلے، ضروری نہیں کہ ہمیشہ بڑوں کے فیصلے درست ثابت ہوں۔ غلط فیصلوں کی بنیاد پر بننے والے رشتے محض تباہی کا باعث بنتے ہیں۔

"منزہ بیگم! آپ اپنے بیٹے کو سمجھا دیجیے گا کہ جو فیصلہ ہو چکا ہے اس میں اب کسی ترمیم کی گنجائش نہیں ہے۔ میں اپنے باپ کے فیصلے سے انحراف نہیں کرسکتا۔ آخر کیا خرابی ہے ندا میں، اچھی بھلی لڑکی ہے۔ اس سے کہو اپنا موڈ درست کرے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس کی ان حرکتوں سے عائشہ کا دل برا ہو۔ میں اپنی دکھی بہن کو مزید دکھ نہیں دینا چاہتا۔" حیدر رضا نے دوٹوک انداز میں کہا تو منزہ بیگم دل مسوس کر رہ گئیں۔ ماں تھیں اور بیٹے کے دل کی بات سے بھی واقف تھیں مگر وہ مجبور تھیں۔ اپنی نند کو تو وہ بھی دکھی نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

ادھر ندا کا تو یہ حال تھا کہ اپنے آپ کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کررہی تھی۔ جسے چاہا وہ بنا کسی تردد کے مل گیا اور اسے کیا چاہیے تھا۔ عائشہ نے بیٹی کو خوش دیکھا تو خود بھی پرسکون ہوگئیں۔ شاہ زر چند روز تک پاکستان آنے والا تھا۔ اس کے آنے پر باقاعدہ منگنی کا فنکشن ہونا تھا۔

"امی! بھائی کا فون ہے۔" ندا کی آواز پر ان کی باچھیں منتشر ہوئیں۔ دوڑتی ہوئی فون تک گئیں۔

"شاہ زر ہاں وعلیکم السلام، کیسے ہو بیٹا؟ کب آرہے ہو؟"

"اگلے ہفتے چلو ٹھیک ہے۔ تم آؤ تو سہی۔ تمہارے لیے دو دو خوش خبریاں ہیں۔ ارے وہ تمہارے آنے پر ہی بتاؤں گی۔ اپنا خیال رکھنا۔ اللہ حافظ۔" ندا یک طرفہ گفتگو بھی پورے غور سے سن رہی تھی۔

"امی کیا کہہ رہے تھے بھائی؟"

"کہہ رہا تھا اگلے ہفتے تک آئے گا۔" عائشہ بے تحاشہ خوش تھیں۔ اکلوتا بیٹا چار برس بعد وطن لوٹ رہا تھا۔

"بابا جان سے پوچھ کر بھابیوں سے بھی مشورہ کرتی ہوں کہ اب ہمیں منگنی کی تیاریاں شروع کردینی چاہئیں۔ کپڑے وغیرہ خریدنے میں اور پھر سلوانے میں کافی وقت صرف ہوجائے گا۔ کارڈز بھی چھپوانے ہیں۔ اف توبہ اتنے کام ہیں اور ایک ہفتہ ہے درمیان میں۔" عائشہ بول رہی تھیں اور ندا خیالوں ہی خیالوں میں ولید کے سنگ کہیں اور ہی پہنچی ہوئی تھی۔

اور پھر ایک ہفتہ پلک جھپکنے میں گزر گیا۔ شاہ زر آچکا تھا۔ اس کے اعزاز میں دعوتیں دی جارہی تھیں اور یہ محض اتفاق ہی تھا کہ تین دن گزر جانے کے بعد بھی ابھی تک شاہ زر اور مریم کا آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔

اس روز رات کا کھانا سب کا علی رضا کے گھر پر تھا۔ شاہ زر راجہ اندر بنا سب کے درمیان بیٹھا تھا۔

"ممانی، ولید نظر نہیں آرہا، کہاں ہوتا ہے آج کل جب سے میں آیا ہوں۔ بہ مشکل ایک بار ہی ملاقات ہوئی ہے۔" اس کے پوچھنے پر منزہ بیگم گڑبڑا گئیں۔ وہ اب اسے کیا بتاتیں کہ اس نے تو گھر پر رہنا ہی کم کردیا ہے۔

صبح کا گیا رات گئے لوٹتا تھا۔ اسی وجہ سے دونوں باپ بیٹے میں بھی کشیدگی چل رہی تھی۔

"بیٹا آج کل آفس میں کام زیادہ ہے ناں۔ اس لیے وہیں دیر ہوجاتی ہے۔" منزہ بیگم کے کہنے پر وہ خاموش ہوگیا۔ مریم بھی وہاں موجود نہ تھی۔ شاہ زر کا بہت جی چاہا کہ مریم سے ملے۔ چار سال پہلے جب وہ یو ایس اے گیا تھا تو اس وقت وہ انٹر کی طالبہ تھی۔ سفید کالج یونیفارم میں بلیک لیدر کا بیگ کاندھے پر ڈالے اور بالوں کی پونی ٹیل بنائے معصوم سی صورت والی وہ گڑیا سی

لڑکی کیا اب بھی ویسی ہی تھی مگر چاہتے ہوئے بھی نہ پوچھ سکا کیونکہ گھر کے سب بڑے وہیں بیٹھے تھے اور یوں اپنی منگیتر کے بارے میں پوچھنا اسے کچھ معیوب سا لگا۔

"یہ مریم کہاں ہے۔ اسے تو بلاؤ بھئی۔" کھانا لگا تو عائشہ کو مریم کی یاد آئی۔

"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ سو رہی ہے۔" ثانیہ بیگم نے مطلع کیا۔

digest library.com

"ارے کیا ہوا اسے؟"

"دو دن سے بخار آ رہا ہے۔ بس اسی وجہ سے نقاہت اور کمزوری ہے۔"

"اور ہمیں کسی نے بتایا ہی نہیں۔ میں دیکھتی ہوں۔" سائرہ اور پھر اس کے پیچھے پیچھے مائرہ اور عائشہ پھوپو بھی مریم کے کمرے کی طرف گئیں۔

مریم اپنے بیڈ پر لیٹی چھت کو گھور رہی تھی جب وہ تینوں آگے پیچھے اندر داخل ہوئیں۔

"محترمہ! یہ کس کے سوگ میں آپ بستر سے جا لگی ہیں۔" سائرہ شوخی سے کہتی دھپ سے اس کے بیڈ پر بیٹھی تو مریم نے چونک کر دیکھا۔ غیر محسوس سے انداز میں بائیں آنکھ سے پھسل آنے والے آنسو کو صاف کیا۔

"کیا ہوا میری بیٹی کو؟" عائشہ پھوپو اس کے سرہانے بیٹھ گئیں۔

"کچھ نہیں پھوپو بس یونہی۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"بس یونہی لاڈ اٹھوانے کو جی چاہ رہا تھا۔" مائرہ نے اس کی بات اچک لی تو سب کے لبوں پر مسکان بکھر گئی۔

"ارے تو کیوں نہ اٹھوائے لاڈ۔ بس اب تو جی چاہتا ہے جلدی سے اسے اپنے گھر لے آؤں۔" عائشہ پھوپو کے کہنے پر جہاں مریم کی آنکھوں کی جوت کم پڑی تھی وہاں سائرہ کے مسکراتے لب بھی بھینچ گئے تھے۔

"بیٹا! اگر طبیعت زیادہ خراب نہیں ہے تو کچھ دیر کو باہر آ کر سب کے درمیان بیٹھو فریش ہو جاؤ گی۔" پھوپو کے کہنے پر وہ کشمکش کا شکار ہو گئی۔ وہ جانے کیوں شاہ زر کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے پھوپو۔ اسے ابھی ریسٹ کی ضرورت ہے۔" سائرہ کے کہنے پر مریم نے تشکر بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"مریم! کچھ کھانے کو بھجواؤں؟" سائرہ کے پوچھنے پر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ پھوپو نے پیشانی پر بوسہ دیا اور آرام کرنے کی تلقین کی۔ ان کے جانے کے بعد اس نے گویا تھک کر آنکھیں موندھ لیں۔ "تقدیر بھی کبھی ہمارے ساتھ ایسے سنگین مذاق کر جاتی ہے کہ ہم تو کیا ہماری روح تک گھائل ہو جاتی ہے۔ یہ سب تقدیر کے کھیل ہی تو ہیں کہ قدموں کا فاصلہ میلوں پر محیط ہو جاتا ہے۔ اللہ! انسان کی زندگی میں اتنی پیچیدگیاں کیوں پیدا کر دیتا ہے کہ جس سے دل کا رشتہ جڑتا ہے اس سے ملن نہیں ہوتا۔" اس نے گہری سانس لی اور اٹھ کر کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔ "کیا یہ ممکن ہے کہ اتنے تھوڑے عرصے میں کسی سے اتنی شدید محبت ہو جائے۔ اے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ یہ محبت کا روگ اتنا دردناک اور اذیت ناک ہوگا تو میں...... میں خود کو روک لیتی مگر...... مگر کیسے میں بھلا خود کو کیسے روکتی۔ یہ چاہت، یہ محبت، یہ تو خود بہ خود دل کی زمین پر نشوونما پاتی ہے اور انسان بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔" وہ گم صم سی کھڑکی میں کھڑی تھی۔ مریم کے کمرے کی کھڑکی حیدر رضا کے گھر کے لان کی طرف کھلتی تھی۔ لان میں تنہا بیٹھے ولید کی نظر مریم پر پڑی تو وہ بے چین ہو اٹھا۔ آج اتنے دنوں بعد اسے دیکھا تھا۔ کیسی زرد اور کمزور لگ رہی تھی۔ مریم اپنے خیالوں میں اس قدر گم تھی کہ ولید کو دیکھ ہی نہ پائی۔ ولید کا بہت جی چاہا کہ اس سے بات کرے مگر وہ بھی مجبور تھا۔ شاہ زر اس کا بہت اچھا دوست تھا اور وہ بھلا اپنے دوست کی خوشیاں کیسے چھین سکتا تھا۔ مریم کسی اور کی ہونے جا رہی ہے۔ یہی سوچ کر ولید کی آنکھوں میں مرچیں سی بھرنے لگیں۔ دل میں جلتا الاؤ دہک گیا۔ اتنے دنوں سے اپنے دل سے لڑتے لڑتے وہ نڈھال ہو گیا تھا اور بس ایک لمحہ لگا تھا اسے وہ اٹھا اور بلا خوف و خطر مریم کے گھر جا پہنچا۔ سب لوگ لاؤنج میں موجود تھے۔ وہ پیچھے کے راستے سے اندر داخل ہوا اور اوپر مریم کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ کوئی بھی اسے دیکھ نہیں پایا تھا۔ آہٹ پر

بی مریم نہیں چونکی تھی۔
"مریم۔" اپنے بالکل پیچھے ولید کی آواز سن کر وہ یکلخت پلٹی تھی۔ دل دھک سے رہ گیا۔ اسے ولید کی سرخ آنکھوں سے خوف آنے لگا۔ گھر میں سب موجود تھے اگر کوئی آ گیا تو......؟ یہی سوچ کر اس کی روح فنا ہونے لگی۔ ولید کا یوں اس کے کمرے میں ہونا سب کے ذہنوں میں شک پیدا کر سکتا تھا۔
"و......ولید بھائی آ......آپ؟"
"مریم! تم نے کوئی احتجاج نہیں کیا؟" سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔
"کک......کس بات پر؟" وہ جان کر بھی انجان بن گئی۔
"حیرت ہے کہ تم اپنی زندگی کے اس قدر اہم فیصلے پر احتجاج نہیں کر پائیں۔" ولید کے کہنے پر مریم نے ایک گہرا سانس لیا۔
"میری زندگی کی باگ ڈور میرے بڑوں کے ہاتھ میں ہے۔ مجھے ان کے کسی فیصلے پر احتجاج نہیں کرنا۔" آواز گلوگیر ہوگئی تو وہ رخ موڑ گئی۔
"ادھر میری طرف دیکھ کر بات کرو۔" شانوں سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔ درمیان میں محض چند انچ کا فاصلہ تھا۔ مریم کو اس کے نفس کا زیر و بم اپنے چہرے پر محسوس ہو رہا تھا۔
"کیا تم ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزار لوگی جسے تمہارا دل قبول نہیں کرتا۔" وہ خاموش رہی۔ آنکھیں خشک تھیں مگر آنسو دل پر گر رہے تھے۔
"میں اپنے بڑوں کے فیصلے سے انحراف نہیں کر سکتی۔ آ......آپ پلیز یہاں سے چلے جائیں۔" وہ ایکدم پیچھے ہٹی تھی۔ ولید لب بھینچے کھڑا تھا۔
"چلا جاؤں گا مگر پہلے مجھے بتاؤ کہ کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے؟"
"نہیں ہے۔" دل مضبوط کر کے کہا اور رخ موڑنا چاہا۔
"میری طرف دیکھ کر کہو یہ بات۔" ولید نے تیورا کر اس کا بازو تھاما تھا۔ مریم کے لب تھرتھرائے اور آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔ اس نے پلکیں جھپک جھپک کر آنسوؤں کو اندر دھکیلا۔
"اب جب کہ سب معاملات طے ہو چکے ہیں۔ یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔" وہ چاہتے ہوئے بھی اپنے لہجے کی کمزوری نہ چھپا سکی۔
"ہاں تو یہ کہو ناں کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ یہ کیوں کہتی ہو کہ محبت نہیں ہے۔" اس کی لو دیتی نگاہیں مریم کو جھلسائے دے رہی تھیں۔ مریم کو لگا وہ کچھ دیر اور اس کی نظروں کے حصار میں کھڑی رہی تو دھوپ میں رکھی برف کی طرح پگھل جائے گی۔
"ولید بھائی! آپ تشریف لے جایئے۔ میرے لیے بڑوں کا فیصلہ اور ان کی عزت سب سے اہم ہے۔" جی کڑا کر کے کہا۔ "ندا اچھی لڑکی ہے۔ آپ اس کے ساتھ زیادہ خوش......"
"مت کرو دوسروں کی وکالت۔" ولید نے سرعت سے اس کی بات کاٹی۔ "مریم گردیزی! تمہاری اس خاموشی سے چار زندگیاں برباد ہو جائیں گی۔ ابھی وقت ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم میرا ساتھ دو تو ہم......"
"پلیز ولید بھائی بس کریں۔ میں اپنا فیصلہ آپ کو پہلے ہی سنا چکی ہوں۔" وہ پلٹ کر واش روم میں گھس گئی۔ فرار کا اور کوئی راستہ نہ سوجھا تھا۔ ولید کچھ دیر کھڑا واش روم کے بند دروازے کو گھورتا رہا پھر شکستہ قدموں سے چلتا باہر نکل گیا۔
"ولید بھائی! آپ یہاں کیسے؟ کب آئے؟" سائرہ اوپر ہی آ رہی تھی۔ ولید اسے دیکھ کر گڑبڑا سا گیا۔
"ہاں وہ میں اسٹڈی میں تھا۔" بروقت بہانہ سوجھ گیا۔ علی رضا کی اسٹڈی میں وہ اکثر آ کر بیٹھا رہتا تھا۔
"آپ آئے کس راستے سے ہیں، ہمیں پتا ہی نہیں چلا۔" سائرہ حیران سی تھی۔
"تم لوگ باتوں میں اس قدر مصروف تھے کہ میں نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں جلدی میں ہوں کچھ کام ہے۔" وہ چلا گیا جب کہ سائرہ اپنی جگہ الجھی سی کھڑی تھی۔

○☆○

"اے میرے رب! میرے مالک' تو رحمان ہے رحیم ہے۔ میری مدد کر میرے مولا! میں کیا کروں' کہاں جاؤں' تیرے سوا کوئی بھی تو نہیں ہے میرا۔ کون سنے گا میری۔ اللہ میرے نصیب میں وہی لکھنا جو میرے حق میں بہتر ہو۔ میرے دل پر میرا اختیار نہیں ہے صرف تو ہی میری مدد کر سکتا ہے۔ جو میرا نصیب نہیں ہے اسے میرے دل سے نکال دے۔ مجھے اتنی ہمت دے کہ میں جدائی کا یہ عذاب امرت سمجھ کر پی جاؤں۔" ہر نماز کے بعد وہ یہی دعا رو رو کر مانگا کرتی تھی۔ اس وقت بھی وہ عصر کی نماز کے بعد یہی دعا مانگ رہی تھی۔ سیاہ و سفید پرنٹ کے دوپٹے کے ہالے میں گڑگڑاتی ہوئی یہ لڑکی کتنی مقدس اور پاکیزہ لگ رہی تھی۔ بالکل اپنے نام کی طرح یہ سوچ کر ہی شاہ زر کے لبوں پر تبسم بکھر گیا۔ پاکستان آئے ہوئے اسے پانچواں دن تھا اور آج پہلی بار اسے دیکھ رہا تھا۔ مریم نے دعا سے فارغ ہو کر سر اٹھایا تو شاہ زر کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ شاہ زر نے ایک جاندار مسکراہٹ پاس کی۔

"اندر آنے کو نہیں کہو گی؟"

"جی آیئے۔" وہ بوکھلا سی گئی تھی۔ شاہ زر سامنے رکھے صوفے پر ٹک گیا۔

"ممانی نظر نہیں آرہیں؟" ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔

"وہ اپنے کمرے میں لیٹی ہیں۔"

"اور باقی سب؟"

"حماد اسپتال گیا ہے اور فہد اپنے دوستوں کے ساتھ باہر گیا ہے۔ ابو ابھی تک آفس سے لوٹے ہی نہیں۔" اس نے تفصیلاً جواب دیا۔

"بیٹھ جاؤ۔ تم کھڑی کیوں ہو۔" شاہ زر نے ایک بھرپور نگاہ اس پر ڈالی۔ جھکی جھکی پلکوں کے ساتھ کچھ کچھ کنفیوژ ہوتی ہوئی یہ پیاری سی لڑکی بنا دستک دیئے دھڑلے سے اس کے دل کی سب سے اونچی مسند پر براجمان ہو گئی تھی۔ مریم جز بز ہوتی وہاں بیٹھ گئی۔

"اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟" شاہ زر نے دریافت کیا۔

"بہتر ہے۔"

"تمہارا ماسٹرز کہاں تک پہنچا؟"

"ایم سی ایس کا فائنل سمسٹر ہے۔" دونوں طرف خاموشی سی چھا گئی۔

"میرے بارے میں کچھ نہیں پوچھو گی؟" شاہ زر کے کہنے پر اس نے ایک پل کو نگاہیں اٹھائیں۔ پرشوق نگاہوں سے تکتا مریم کو کچھ اور کنفیوژ کر گیا۔ "چلو رہنے دو۔ میں خود ہی سب کچھ بتا دوں گا۔" لہجہ خاصا بے باک تھا۔ مغرب میں اتنا عرصہ رہنے کی وجہ سے وہ بھی کچھ کچھ مغربی رنگ میں رنگ گیا تھا۔

مریم سے وہاں ٹھہرنا دوبھر ہو گیا۔ آنکھیں بھر آئیں۔ شاہ زر نے اسے دیکھ کر گویا محظوظ ہوتے ہوئے مسکراہٹ پاس کی۔

"میرا خیال ہے مجھے اب چلنا چاہیے۔ ورنہ تم تو یونہی شرم کے مارے لرز لرز کر جان دے دو گی اور میں ایسا نہیں چاہتا کیونکہ تمہاری جان صرف میری امانت ہے۔" وہ یہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔ مریم نے اس کے جانے کے بعد کھل کر سانس لیا اور پھر نڈھال سی وہیں بیٹھ گئی۔ اپنے آپ سے لڑتے لڑتے وہ تھک چکی تھی۔ دل تو ولید ہی کے لیے ہمک رہا تھا مگر دماغ سختی سے تقدیر کے فیصلے پر کاربند تھا۔

تینوں گھروں میں منگنی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ دھڑا دھڑ شاپنگ ہو رہی تھی۔ بازاروں کے چکر پر چکر لگ رہے تھے۔ مریم نے بازار جانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس نے منگنی کے ڈریس کی سلیکشن گھر والوں پر چھوڑ دی تھی۔ شاہ زر اور حماد اس سب سے خوب لطف لے رہے تھے۔ مگر ولید تھا کہ ہاتھ ہی نہیں آتا تھا۔ صبح کا گیا رات گئے واپس لوٹتا۔ عائشہ پھوپو چاہتی تھیں کہ ولید منگنی کے لیے اپنے سوٹ اور جوتے اپنی پسند سے خریدے انگوٹھی بھی وہ اس کی پسند سے خریدنا چاہتی تھیں مگر وہ ہاتھ ہی نہ آتا تھا۔

"ولید آخر آج کل کون سا ایسا بھاری کام ہے تمہارے سر پر کہ ایک لمحے کی بھی فراغت میسر نہیں ہے۔" اس روز ناشتے کی میز پر منزہ بیگم نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ وہ خاموش رہا۔

digest.library.com

"ولید! میں تم سے بات کر رہی ہوں۔"

"امی! کوئی کام ہے تو مجھے بتادیں۔"

"دو دن بعد تمہاری منگنی ہے اگر فرصت مل جائے تو اس میں شرکت کر لینا۔" منزہ بیگم کے طنز پر وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

حیدر رضا فی الوقت خاموش بیٹھے تھے۔

"امی! میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔"

"ہاں تو ابھی کون سا شادی کر رہے ہیں ہم تمہاری۔ منگنی ہی تو کر رہے ہیں۔"

"میں...... مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے۔" وہ بنا ناشتہ کیے اٹھ کر چلا گیا۔ منزہ بیگم نے تاسف سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔

"اپنے لاڈلے کو سمجھا دو کہ مجھے یہ رنگ ڈھنگ پسند نہیں ہیں۔" حیدر رضا نے اخبار رکھتے ہوئے کہا۔ سائرہ، مائرہ کا دل بھی برا ہو گیا۔ منزہ بیگم کو اب رات کا انتظار تھا تاکہ ولید کو تحمل سے سمجھا سکیں۔ رات گئے ولید لوٹا تو ماں کو اپنے انتظار میں جاگتے پایا۔

"امی آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں؟"

"ولید ادھر بیٹھو۔ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔"

"میں جانتا ہوں آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔" وہ گویا تھک کر ماں کے قریب ڈھے سا گیا۔

"بیٹا تم آخر انکار کیوں کر رہے ہو۔ کیا کمی ہے ندا میں۔"

"امی آپ خدا کے لیے مجھے مجبور نہ کریں۔ مجھے میری زندگی اپنے طور سے گزارنے کا بھی حق نہیں ہے۔" وہ تلخ ہو گیا۔

"ولید! یہ تم کہہ رہے ہو بیٹا کیا ہم لوگوں کا تمہاری زندگی پر کوئی حق نہیں ہے۔ کیا ہمارا اتنا بھی حق نہیں کہ جس پودے کی اپنے خون سے آبیاری کی اسے زمانے کے سرد و گرم سے بچا کر رکھا۔ جب وہ بڑا ہو گیا تو اس کی چھاؤں میں کچھ دیر کو ستا بھی نہ سکیں۔ اس کے پھل سے فیض یاب نہ ہو سکیں۔" منزہ روہانسی ہو گئیں۔ ولید کو شرمندگی نے آن گھیرا۔ بہرحال ماں کی ناراضگی تو وہ برداشت کر ہی نہیں سکتا تھا۔

"امی پلیز آپ تو اس طرح مت کریں۔" اس نے ماں کے ہاتھ تھام لیے۔ "میں نے انکار تو نہیں کیا۔ محض چند ماہ کی تو بات ہے۔ میں فی الحال شادی یا منگنی وغیرہ کے موڈ میں نہیں ہوں۔ مجھے سنبھلنے کے لیے تھوڑا وقت تو دیں۔ کم از کم اتنا وقت کہ میں پرانی یادوں کو دل سے کھرچ کر مٹا سکوں۔ میرے بھی کچھ جذبات ہیں، احساسات ہیں۔ محبتوں کو بھلانا اتنا آسان نہیں ہوتا۔" وہ ایک لمحے کو رکا۔ آواز اور لہجہ بھیگ گیا تھا۔ منزہ بیگم نے بڑی شدت سے بیٹے کے لہجے کا یہ کرب محسوس کیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ جو آپ چاہیں گی میں ویسا ہی کروں گا۔" وہ تھکے تھکے قدموں سے چلتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ ماں تھیں، بیٹے کے دل کی دنیا لٹتے دیکھ کر آبدیدہ ہو گئیں مگر ان کے اختیار میں کچھ بھی تو نہ تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔

عائشہ پھوپو کی خواہش پر منگنی کی تقریب ان کے گھر کے وسیع و عریض لان میں رکھی گئی تھی۔ برقی قمقموں اور پھولوں سے سجا گھر الگ ہی شان دکھلا رہا تھا۔ گھر مہمانوں سے بھر چکا تھا۔ تینوں دلہنیں پارلر سے تیار ہو کر آ چکی تھیں۔ اپنی اپنی جگہ تینوں ہی خوب صورت لگ رہی تھیں۔ بڑے سے اسٹیج پر تین ڈبل سیٹرز ساتھ ساتھ رکھے گئے تھے۔ ولید، شاہ زر اور حماد پہلے ہی وہاں براجمان تھے۔ ندا، مریم اور سائرہ کو اکٹھے ہی وہاں لایا گیا۔ ولید اور شاہ زر دونوں کی مرکز نگاہ ایک ہی ہستی تھی۔ موو اور پنک مہارانی فراک اور چوڑی دار پائجامے میں وہ مغلیہ شہزادی لگ رہی تھی۔ اس کا سوگوار سا حسن قیامت خیز لگ رہا تھا۔ جھکی جھکی پلکیں، لرزتے لب اور پیشانی پر چمکتا ٹیکا۔ ولید نے شدت کرب سے نگاہوں کا زاویہ بدلا تھا۔ حسن رضا نے سب کو انگوٹھیاں پہنائی تھیں۔ مبارک سلامت کا شور تھا۔ کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ کیمروں کی فلیش لائٹس کی چکا چوند تھی۔ ولید نے ایک چور نظر مریم پر ڈالی۔ اسی لمحے مریم نے نگاہ اٹھائی تھی۔ ایک پل کو نظریں ملیں تو دھڑکنوں کی تال بدل

گئی۔ سینے میں حشر بپا ہو گیا۔ ولید کی شکوہ کناں نگاہیں مریم کے سینے میں برچھی کی طرح کھب گئیں۔ مریم کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

"بھابی!" اس نے بدقت تمام اپنے ساتھ ہی موجود فائقہ بھابی کو پکارا۔

"کیا ہوا مریم؟" بھابی اس کی زرد پڑتی رنگت اور پیشانی پر پسینہ دیکھ کر چونک گئیں۔

"بھابی۔" وہ بے دم سی ہو گئی۔ قریب بیٹھا شاہ زر بھی متوجہ ہو گیا۔ بھابی نے اس کا ہاتھ تھاما جو بالکل برف کی طرح سرد ہو رہا تھا۔

"مجھے لگتا ہے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ انہیں اندر لے جائیں۔" شاہ زر کے کہنے پر بھابی نے سر ہلایا۔ بھابی نے اشارے سے عائشہ پھوپو کو بلایا۔ ذرا سی دیر میں سب کو خبر ہو گئی کہ مریم کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ فائقہ بھابی اور عائشہ پھوپو اسے لے کر اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

لاؤنج میں داخل ہوتے ہی دائیں طرف پہلا دروازہ شاہ زر کے بیڈ روم کا تھا۔

"مریم بیٹا۔ تم کچھ دیر یہاں آرام کرو۔" عائشہ پھوپو نے اسے بیڈ پر بٹھایا۔

"آنٹی! میں ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔" فائقہ بھابی اٹھنے لگیں تو مریم نے روک دیا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ مجھے ایک گلاس لیموں پانی کا دے دیں اور سر درد کی گولی بھی۔"

"تم آرام کرو۔ میں ابھی آتی ہوں۔" عائشہ پھوپو اٹھ کر چلی گئیں۔ مریم نے تھک کر بیڈ کی پشت پر سر ٹکا دیا اور آنکھیں موندھ لیں۔ جانے کب آنسو گال پر پھسل آئے۔ ولید کی وہ تڑپتی، سلگتی نگاہیں چشم تصور میں ابھریں تو گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ فائقہ بھابی اندر داخل ہوئیں تو اس نے جلدی سے آنکھیں پونچھ ڈالیں۔ کاجل پھیل کر نگاہوں کو مزید قاتل بنا رہا تھا۔

"کچھ اور چاہیے تو بتاؤ۔"

"نہیں بھابی۔"

"تم یہ زیور اور دوپٹہ اتار کر کچھ دیر آرام کر لو کے۔" فائقہ بھابی اٹھ کر چلی گئیں۔ باہر سب کو عائشہ پھوپو نے مطمئن کر دیا تھا۔

"مریم ٹھیک تو ہو ناں؟" کچھ دیر بعد ثانیہ بیگم چلی آئیں۔

"جی امی۔"

"دوائی تم نے؟"

"جی لے لی۔" وہ اٹھنے لگی۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

"امی میں گھر جانا چاہتی ہوں۔"

"ابھی یہیں آرام کرو۔ باہر سب مہمان ہیں یوں سب کے درمیان سے گزر کر جانا کچھ معیوب لگتا ہے۔" ثانیہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

وہ نڈھال سی بیڈ کراؤن سے سر ٹکا کر بیٹھی رہی۔

"ایسا کیوں ہوا۔ آخر کیوں؟" اس کا دل رو رہا تھا۔ دل میں طوفان بپا تھا۔ جب درد حد سے سوا ہوا تو لاوا بن کر آنکھوں کے رستے پھوٹ پڑا۔ اس نے ان آنسوؤں کو نکلنے دیا۔ آنسو تواتر سے گرتے رہے۔

digest library.com

محبت وہ جذبہ ہے جو کسی خودرو پودے کی طرح دل کی سرزمین پر اگتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اپنی جڑیں پوری طرح پھیلا کر انسان کو یوں جکڑ لیتا ہے کہ کوئی جائے فرار نہیں رہتی۔ اس نے تو محبت کی اس حسین وادی میں ابھی پہلا قدم ہی رکھا تھا۔ ابھی تو محبت کی فصل میں پھل لگنا تھا۔ ابھی تو سرزمین جان کو پیار کی بارش میں بھیگنا تھا۔ ابھی تو وہ ان جذبوں کو ٹھیک سے محسوس بھی نہ کر پائی تھی کہ آناً فاناً ایسی آندھی چلی کہ اس ابھرتے ہوئے گلستان کو بے دردی سے صحرا میں بدل دیا۔ اس کی زخمی روح دل کے اس اجڑے صحرا میں دیوانوں کی مانند بھٹکتی پھر رہی تھی۔ وہ کافی دیر یونہی آنکھیں موندے بیٹھی رہی۔ آنسو بھی خشک ہو گئے تھے۔ اسے پتا بھی نہ چلا کہ شاہ زر کمرے میں داخل ہوا۔ وہ یونہی بیٹھی رہی۔ شاہ زر نے ایک بھرپور نگاہ اس پر ڈالی۔ اس کا یہ سجا سنورا روپ نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ وہ کسی کام سے اپنے کمرے میں آیا تھا۔ اس بات سے بالکل انجان تھا کہ مریم اسی کے کمرے میں ہو گی۔ شاہ زر نے غور سے دیکھا۔ شاید وہ

رہی تھی۔ کاجل پھیلا ہوا تھا۔

اس کا پاکیزہ و مقدس حسن ہی تو تھا جس نے اسے دیوانہ کردیا تھا۔ شیشے سے بنی یہ نازک لڑکی ذرا سی ٹھیس لگنے سے چکنا چور ہو جائے گی۔ وہ پلٹنے لگا تھا جب مریم نے آنکھیں کھول دیں۔ شاہ زر کو اس طرح اپنے سامنے دیکھ کر وہ بوکھلا گئی۔ یونہی گھبراہٹ میں دوپٹہ سیٹ کرنے لگی۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟" وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"بہتر ہے۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تم ریسٹ کرو۔ میں جا رہا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم یہاں میرے بیڈ روم میں ہوگی۔" وہ جانے کے لیے مڑا پھر ایکدم رک گیا۔

"ایک بات کہوں؟" شاہ زر کے کہنے پر وہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی سمت دیکھنے لگی۔ "اچھی لگ رہی ہو۔" وہ مسکرایا۔ "میں اپنی قسمت پر جتنا ناز کروں کم ہے۔ بلیوو می میں نے آج تک ہزاروں حسین چہرے دیکھے ہیں۔ حسن تو بہت دیکھا مگر تم سا پاکیزہ حسن پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" مریم نہ چاہتے ہوئے بھی بلش ہو گئی۔ چہرے پر ڈھیروں گلابیاں اتر آئیں۔ شاہ زر نے بڑی دلچسپی سے یہ منظر دیکھا۔

"جانتی ہو تمہیں ایک نظر دیکھنے کے بعد تین الفاظ ذہن میں آتے ہیں۔" دلکش مسکراہٹ لبوں پر بکھیرے وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔ مریم نے پل کے پل جھکی پلکیں اٹھائی تھیں۔

"پاکیزہ، معطر، شفاف۔" اس سمے اگر مریم نگاہ اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھ لیتی تو شاید پگھل جاتی۔ خمار آلود نگاہوں میں پیار کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"اور" سب کی مشترکہ آواز پر وہ دونوں چونکے تھے۔ دونوں نے ایک ساتھ دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ فائقہ بھابی، جنید بھائی، سائرہ، فہد اور چند دیگر کزنز وہاں موجود تھے۔ سب مہمان جا چکے تھے۔ صرف قریبی عزیز ہی موجود تھے۔ وہ لوگ مریم کو دیکھنے آئے تھے۔ مریم جل سی ہو گئی تھی جب کہ شاہ زر کے لب متبسم تھے۔

"بھئی ہم تو بیمار کا حال پوچھنے آئے تھے۔ اب ہمیں کیا پتا کہ چارہ گر پہلے سے ہی یہاں موجود ہیں۔" فائقہ بھابی نے چھیڑا۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" سائرہ نے دریافت کیا۔

"ٹھیک ہوں۔" دھیمی سی آواز میں جواب دیا۔

"ٹھیک کیوں نہ ہوگی۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ

اس نے جلتی ہوئی پیشانی پر جب ہاتھ رکھا
روح تک آگئی تاثیر مسیحائی کی

جنید بھائی کے بے ساختہ کہنے پر قہقہہ پڑا۔ وہ دونوں ہی جھینپ گئے۔ مریم نے چپکے سے بائیں آنکھ کا کونہ صاف کیا جو جانے کب نم ہو گیا تھا۔ سائرہ نے اس کا دکھ اپنے دل میں محسوس کیا تھا۔

"کہاں ہوتے ہو یار نظر ہی نہیں آتے۔" ولید آفس سے آیا تو شاہ زر موجود تھا۔

"جب سے نیا بزنس شروع کیا ہے مصروفیات بڑھ گئی ہیں۔" وہ دھیمے سے مسکرایا۔ "تم سناؤ کیا ہو رہا ہے؟"

"آج کل تو فراغت ہی فراغت ہے۔" شاہ زر نے پھلوں کی ٹوکری میں سے سیب اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہاری جاب کا کیا بنا؟"

"آفرز تو موجود ہیں مگر ایک بھی میری پسند کے مطابق نہیں ہے۔"

"ہاں بھئی نخرے تو دکھانے ہیں۔ آخر کو سی اے کی ڈگری لے کر لوٹے ہیں جناب۔" ولید نے خوشگوار سے لہجے میں کہا تو وہ ہنس دیا۔

"رائٹ! تم کتنی آسانی سے میرے دل کی بات جان لیتے ہو۔ ویسے ایک آفر ہے جو قدرے بہتر ہے۔ ہو سکتا ہے وہاں جاب کرلوں۔ فی الحال میں کسی بھی قسم کی جاب کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"کیوں؟ اتنی کاہلی اچھی نہیں ہوتی۔" ولید مسکرایا۔

"تم جو ہو۔"

"شاہ زر تم بھی بس....." ولید نے سر جھٹکا۔

"اچھا یار میں تو چلتا ہوں کچھ کام ہیں۔" شاہ زر نے

اٹھتے ہوئے کہا۔

"او کے۔" ولید نے تھکے تھکے لہجے میں کہا اور شاہ زر اٹھ کر چلا گیا۔

ولید نے تھک کر سر صوفے کی بیک سے ٹکا دیا۔ کتنا مشکل ہوتا ہے ناں دوسروں کو دھوکا دینا۔ اپنے آپ سے جھوٹ بولنا۔ ٹھیک کہتا ہے شاہ زر کہ میں بدل گیا ہوں۔ محبت کا روگ ہی ایسا ہے کہ اچھے اچھوں کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ وہ تو پھر ایک عام سا انسان تھا۔ منگنی کی تقریب میں مریم کی طبیعت کا یوں خراب ہونا اس کے لیے بے حد تکلیف دہ تھا۔ وہ جانتا تھا وہ یہ درد تنہا نہیں سہہ رہا تھا۔ کوئی اور بھی اس کٹھن مرحلے سے گزر رہا تھا۔ آج منگنی کو پورا ایک ماہ ہو گیا تھا مگر وہ ابھی بھی اس اذیت کو بھلا نہیں پایا تھا جو مریم کو کسی اور کا ہوتا دیکھ کر ہوئی تھی۔ وہ کوئی اور کوئی غیر نہیں اس کا اپنا تھا۔ عم زاد سے بڑھ کر اس کے بچپن کا گہرا دوست' کیسا مذاق کیا تھا تقدیر نے اس کے ساتھ۔ دوستی اور محبت کو مقابل لا کھڑا کیا تھا اور اسے دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ شاید تقدیر کو اس کا امتحان مقصود تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اس امتحان میں کس حد تک کامیاب ہوا تھا۔

شاہ زر کو کراچی میں جاب مل گئی تھی۔ یہ جاب اس کے معیار پر پورا اترتی تھی اس لیے اس نے فوراً ہی جوائن کر لیا تھا۔ کراچی جانے سے پہلے سب نے ایک پارٹی رکھی تھی جس میں صرف گھر والے ہی شریک تھے۔ عائشہ پھوپو کے گھر کے وسیع و عریض لان میں چاندنیاں بچھا کر گاؤ تکیے لگا دیے گئے تھے۔ اوائل نومبر کے دن تھے۔ فضا میں ہلکی ہلکی خنکی اور ٹھنڈی میٹھی سی سردی تھی۔ ڈرائی فروٹس اور کافی کا دور چل رہا تھا۔ بڑے سب اندر تھے۔ ینگ پارٹی نے اپنی محفل جما رکھی تھی۔ ولید محض اس لیے موجود تھا تاکہ شاہ زر کا دل برا نہ ہو ورنہ مریم کی موجودگی میں اس کے لیے بیٹھنا دشوار تھا۔ منگنی کے بعد وہ اسے آج دیکھ رہا تھا۔ گھر پاس پاس ہونے کے باوجود بھی وہ اس سے اتنے دن مل نہیں پایا تھا۔ مریم کا حال بھی ولید سے کچھ مختلف نہ تھا۔ ایک طرف ولید کی بجھی بجھی تشنہ سی نگاہیں تو دوسری جانب شاہ زر کی پرشوق خمار آلود نظریں اسے کنفیوژ کیے دے رہی تھیں۔

digest library.com

ندا خلاف معمول کچھ چپ سی بیٹھی تھی۔ اس نے ولید پر نگاہ کی پھر مریم کی طرف دیکھا۔

گل تازہ یہ ترا رنگ و بو ہوا سب سے بڑھ کے تراعدو
کسی اور نے تجھے چن لیا' تجھے چاہتا کوئی اور تھا

ندا نے شعر پڑھ کر گویا ایک تیر سے دو شکار کیے تھے۔ ولید اور مریم پر ڈھکے چھپے انداز میں بڑا گہرا طنز کیا تھا۔ ولید کچھ چونکا تھا مگر مریم یونہی گم صم سی بیٹھی تھی۔

"خیریت! یہ مریم بی بی کن سوچوں میں گم ہیں؟"

جنید بھائی کے کہنے پر سب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ چونک کر سب کو دیکھنے لگی۔ نگاہ بالکل سامنے بیٹھے شاہ زر سے ٹکرائی تو سب کی مشترکہ "اوہ" پر وہ خجل سی ہوگئی۔ شاہ زر نے دلکشی سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

جانے کیوں مریم کا دل بھر آیا۔ اس نے پلکیں جھپک جھپک کر آنسوؤں پر بند باندھا تھا۔ شاہ زر اس کی نم ہوتی آنکھیں دیکھ کر ایک لمحے کو تھم سا گیا مگر اگلے ہی لمحے سر جھٹک دیا۔

مریم اور ولید نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا اور یہی ایک لمحہ سب لمحوں پر بھاری ہو گیا تھا۔ ایک پل کی یہ چوری شاہ زر کی نگاہوں سے مخفی نہیں رہ سکی تھی۔ ولید کے لہجے کی یاسیت اور مریم کے چہرے پر پھیلا حزن شاہ زر کو کچھ اور سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔ شاہ زر ایکدم ماحول سے بالکل کٹ کر رہ گیا تھا۔ وہ دودھ پیتا بچہ نہیں تھا کہ لہجے کا فرق اور چہرے کے تاثرات نہ جانچ سکے۔ اٹھائیس تیس برس کا ایک میچور مرد تھا۔ اس نے دنیا دیکھی تھی اور چہروں کو پڑھنے کا فن بہ خوبی جانتا تھا۔ اس رات وہ ٹھیک سے سو بھی نہیں سکا تھا۔ جب سے وہ پاکستان آیا تھا۔ ولید کے انداز بدلے بدلے سے تھے۔ گہری یاسیت نے اس کی آنکھوں میں مستقل ڈیرے لگا لیے تھے۔ پہلی سی شوخی مفقود تھی۔ اس نے خود ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ چار سال کا عرصہ کسی کو بدلنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اپنے بیڈ روم میں یہاں سے وہاں ٹہلتے ہوئے اس نے مریم کے بارے میں سوچا۔ خاموش طبع تو وہ پہلے بھی تھی مگر اس بار تو' پھر اس کا یوں کتراتا اور منگنی والے

ان طبیعت کا خراب ہونا۔ وہ کڑی سے کڑی ملا رہا تھا مگر معاملہ کچھ اس طرح سے الجھا تھا کہ کوئی سرا ہاتھ میں نہیں آ رہا تھا۔ خود سے الجھتا وہ سونے کے لیے لیٹ گیا۔ لیونا۔ صبح کی فلائٹ سے اسے کراچی جانا تھا۔

○☆○

"کیا تم اس رشتے پر خوش ہو؟"

نیہ حماد گھر پر نہیں تھے۔ ثانیہ بیگم پھوپو کے ہاں گئی ہوئی تھیں اور علی رضا اپنے آفس میں تھے۔ وہ اپنے کمرے میں موجود تھی جب دروازہ ہلکی سی دستک کے ساتھ ہی کھل گیا تھا۔

"آ...... آپ!" وہ دوپٹہ درست کرتی اٹھ بیٹھی تھی۔

"میں جا رہا ہوں مگر جانے سے پہلے تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔" وہ اس کے عین سامنے آ بیٹھا تھا۔

"کون سی بات؟" مریم کو اس کا لہجہ کچھ پراسرار سا لگا تھا۔

"تم میری بات کا غلط مطلب مت لینا۔ محض اپنے دل کی تسلی کے لیے میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"پوچھیے۔"

"کیا تم اس رشتے پر خوش ہو؟" شاہ زر کی بات پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ اس سمے اس کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔ وہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔ چند لمحے یونہی خاموشی میں کٹ گئے۔ مریم نے سر جھکا لیا۔

"مریم! میں اس خاموشی کو کیا سمجھوں؟"

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ کو یہ سوال کرنے کا خیال کیوں آیا؟"

"خیال۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر اسے دیکھا۔ "کل رات تمہیں دیکھا یونہی گمان سا ہوا کہ شاید اس رشتے میں تمہاری رضامندی شامل نہیں"۔

"یہ...... یہ غلط ہے۔" وہ گھبرا کر ایکدم اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ دونوں ہاتھوں کو آپس میں الجھاتی وہ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

"واقعی۔" وہ کچھ ریلیکس سا ہو گیا تھا۔

"آپ میرا یقین کیوں نہیں کر رہے۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ یہ رشتہ میری رضامندی سے۔" مریم کی حالت عجیب سی ہو گئی تھی۔ لہجہ کپکپا رہا تھا اور آنکھیں بھرا گئی تھیں۔

"ریلیکس مریم! آئی بلیو کہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" شاہ زر نے اسے شانوں سے تھام لیا۔ "یہ آنسو بے حد قیمتی ہیں۔ انہیں یوں بے مول مت کرو۔" انگشت شہادت سے اس کی دائیں آنکھ سے پھسل آنے والا آنسو صاف کیا۔ "اپنا خیال رکھنا۔ میں ہر ویک اینڈ پر چکر لگاتا رہوں گا۔" اپنائیت بھرے انداز میں اس کے شانوں پر ہاتھوں کا دباؤ دیا۔ مریم جھجک کر اس سے دور ہوئی تھی۔ شاہ زر نے مسکراتے ہوئے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے تھے۔ مریم بے دم سی ہو کر بیڈ پر ڈھے گئی تھی۔ دل کے زخم پھر سے تازہ ہو گئے تھے۔ وہ انجانے میں اس کے دکھی دل کو چھیڑ بیٹھا تھا۔ روتے روتے اچانک مریم کو خیال آیا کہ آخر شاہ زر نے ایسا کیوں کہا تھا۔ کہیں اسے شک تو نہیں ہو گیا کہ میں اور ولید' نہیں نہیں ایسا بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔ اس نے یونہی پوچھ لیا ہوگا۔ مگر وہ کہہ رہا تھا کہ کل رات مگر کل رات کیا ہوا تھا۔ میں نے یا ولید نے تو کوئی بات بھی نہیں کی تھی۔ پھر یہ شاہ زر کہیں وہ میری خاموشی میں چھپے درد کا راز تو نہیں پا گیا؟ بھلا وہ کیسے جان پائے گا۔ میں تو اس حقیقت کو خود سے بھی چھپا کر رکھتی ہوں پھر کوئی دوسرا کس طرح...... وہ الجھ سی گئی تھی۔

ولید آفس کے لیے نکل ہی رہا تھا۔ جب ندا کو اندر آتے دیکھا۔ وہ کترا کر گزر جانا چاہتا تھا مگر ندا نے اسے روک لیا۔

"ولید! آپ آفس جا رہے ہیں؟"

"ظاہر ہے۔ اس وقت میں آفس ہی جا سکتا ہوں۔" دل ہی دل میں تلملایا مگر بولا کچھ نہیں۔

"مجھے یونیورسٹی تک ڈراپ کر دیں گے؟"

"تم کسی اور کے ساتھ چلی جاؤ۔ بالکل آؤٹ آف دی وے ہو جاتا ہے۔ مجھے ضروری میٹنگ میں پہنچنا ہے۔"

"جب آپ موجود ہیں تو پھر میں کسی اور سے کیوں

کہوں۔" اس کا انداز اور لب و لہجہ ولید کو سخت ناگوار گزرا۔

"میرے پاس فضول کاموں کے لیے وقت نہیں ہے۔" ناگواری سے کہتا وہ آگے بڑھ گیا۔ ندا اسے کبھی بھی اچھی نہیں لگی تھی اور اس حوالے سے تو بالکل بھی نہیں۔

مریم اور ندا میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ ندا مغربی رنگ میں رنگی ہوئی بے باک اور اکھڑ مزاج لڑکی تھی۔ ٹراؤزر شرٹ اور دوپٹے کے نام پر چھوٹی سی رسی اس کا پہناوا تھا۔ شولڈر کٹ بال اور میک اپ زدہ چہرہ عائشہ پھوپو کے پیار نے اسے خاصا بگاڑ دیا تھا۔ کسی نے بھی اسے روکا ٹوکا نہیں کیونکہ وہ محض دو سال کی تھی جب باپ کی شفقت سے محروم ہوگئی تھی۔ نانا اور ماموؤں نے حد سے زیادہ پیار دیا تاکہ وہ باپ کی کمی محسوس نہ کرے اور وہ لاڈ پیار میں بگڑتی چلی گئی تھی۔ اس کے برعکس شاہ زر بہت رکھ رکھاؤ والا انسان تھا۔ باپ کے سائے سے محرومی نے خود بہ خود اس کے اندر احساس ذمہ داری بھر دیا تھا اگرچہ پیار تو اسے بھی بے تحاشہ ملا تھا مگر اس نے کبھی بھی اس پیار کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ اپنے نانا سے اسے بے حد لگاؤ تھا اور انہی کی حمایت پر وہ پڑھنے کے لیے ملک سے باہر گیا تھا۔

سائرہ کسی کام سے مریم کے پاس آئی تھی۔ آج کل دونوں ہی ایگزامز کے بعد فارغ تھیں۔ دونوں کی آپس میں گاڑھی چھنتی تھی۔ اگرچہ سائرہ ولید اور مریم کے جذبات سے واقف تھی مگر اس نے شاہ زر کے لیے بھی کبھی برا نہیں سوچا تھا۔ وہ صرف خدا کی مصلحت پر یقین رکھنے والی لڑکی تھی مگر اکلوتے بھائی کے لیے من پسند بھابی لانے کا خواب چکنا چور ہوگیا تھا۔ ندا ایک فیصد بھی ان کی پسند کے مطابق نہ تھی مگر وہ سب بڑوں کے فیصلے کے سامنے مجبور تھے۔ مریم واش روم میں تھی۔ سائرہ میگزین دیکھ رہی تھی۔ جب حماد اندر داخل ہوا۔ تیس گھنٹوں کی تھکا دینے والی ڈیوٹی کے بعد وہ اسپتال سے لوٹا تھا اور اسے سامنے دیکھ کر طبیعت ایکدم فریش ہوگئی تھی۔ وہ میگزین دیکھنے میں اتنی محو تھی کہ حماد کی آمد کا پتا بھی نہ چلا۔

کاش میں تیرے ہاتھ میں پکڑا ہوا میگزین ہوتا

مصرعے کو اپنی مرضی سے ڈھالتے ہوئے وہ اس کے مقابل بیٹھا تو سائرہ چونک گئی۔

"ارے آپ کب آئے؟" منگنی کے بعد وہ "تم" سے "آپ" پر آگئی تھی۔ بقول فہد کے اب وہ عزت کے قابل بن گیا تھا۔

"جب آپ نے دیکھا۔ جب آپ نے محسوس کیا۔" رات بھر سے جاگا ہوا تھا۔ آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔ لہجہ خود بہ خود خواب ناک ہوگیا تھا۔

"باتیں بنانا تو کوئی آپ سے سیکھے۔" سائرہ مسکرائی۔

"اور چائے بنانا۔" فہد نے اندر داخل ہوتے ہوئے اشتہار کی نقل کی تو حماد نے برا سا منہ بنایا۔

"تم اپنی بولتی بند نہیں رکھ سکتے۔" حماد بدمزہ سا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی لمحے پڑوس کی شازیہ نے اندر قدم رکھا۔ سائرہ اور حماد کی منگنی کے بعد وہ بے چاری گم صم سی ہو کر رہ گئی تھی۔ بقول فہد کے گہرے صدمے نے بے چاری کے حواس مختل کردیے تھے۔

"ارے آیئے آیئے شازیہ بی بی۔ بڑے اچھے وقت پر آنا ہوا۔" فہد نے تڑکا لگایا۔

"جی وہ میں یہ کھیر دینے آئی تھی۔"

"واہ بھئی بڑے ٹھیک موقعے پر میٹھا لائی ہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے یہاں پر خاصا میٹھا ماحول تھا۔" فہد کے کہنے پر حماد نے اسے گھورا اور پلٹ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"فہد تم یہ کچن میں لے جاؤ۔ آؤ شازیہ بیٹھو ناں۔" سائرہ نے شازیہ سے کہا۔

"نہیں جی اب میں چلتی ہوں۔"

حسرت ان غنچوں پہ جو بن کھلے مرجھا گئے

فہد نے اس کے جانے کے بعد سرد آہ بھرتے ہوئے مصرع پڑھا۔

"بدتمیز کیوں بے چاری کا مذاق اڑاتے ہو۔" سائرہ نے دھپ رسید کی۔

"اب ایسی بھی بے چاری نہیں ہیں یہ شازیہ بی بی۔"

digest.library.com

"مطلب؟"

"بجنی سیدھی سی بات ہے۔ اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو تقریباً ہر دوسرے دن ہی کچھ نہ کچھ پکا کر لے آتی ہیں پھر۔ اس تاکید کے ساتھ کہ حماد بھائی ضرور کھائیں۔"

"اس میں ایسی کون سی بات ہے؟"

"میری ہونے والی بھولی بھالی بھابی! آپ نہیں جانتیں ان کو مجھے تو شک ہے یہ ضرور ان چیزوں میں کوئی تعویذ وغیرہ گھول کر لاتی ہوں گی تاکہ محبوب جھٹ سے قدموں میں آن گرے۔"

"فہد۔" حماد کی آواز پر وہ بوکھلا گیا۔ "تم پٹ جاؤ گے میرے ہاتھ سے۔" اور فہد نے وہاں سے نکلنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ سائرہ اور حماد ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیے۔

منگنی کو چھ ماہ سے زائد کا عرصہ ہو گیا تھا۔ حماد کا ہاؤس جاب مکمل ہو گیا تھا اور وہ اسپیشلائزیشن کے لیے لندن جا رہا تھا۔ عائشہ پھوپو چاہتی تھیں کہ اب گھر میں بہو لے آئیں۔ مریم کا ماسٹرز مکمل ہو چکا تھا۔ شاہ زر کی جاب بھی سیٹ ہو چکی تھی۔ اس لیے اعتراض کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ حسن رضا منگنی کی طرح شادیاں بھی سب کی ایک ساتھ کر دینا چاہتے تھے۔ مگر ولید نے منع کر دیا۔ وہ ماں باپ سے صاف کہہ چکا تھا کہ ابھی وہ شادی کے حق میں نہیں ہے۔ منزہ بیگم نے حیدر رضا کو بہ مشکل قائل کیا تھا۔ وہ جانتی تھیں اس بار ولید کو سمجھانا مشکل ہوگا۔ حماد فی الحال شادی کے موڈ میں نہیں تھا۔ دونوں نے باہم رضامندی سے یہ فیصلہ کیا تھا۔ سائرہ کچھ کمپیوٹر کورسز کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے قرعہ فال شاہ زر اور مریم کے نام نکلا۔ عائشہ پھوپو جی جان سے تیاریوں میں لگی تھیں۔ شاہ زر ایک ٹانگ پر چکر لگاتا رہتا تھا۔ عائشہ پھوپو نے دبے لفظوں اس بات پر اصرار کیا تھا کہ وہ ندا کے فرض سے بھی سبکدوش ہو جانا چاہتی ہیں۔ منزہ بیگم نے موہوم سی امید کے تحت ولید سے بات کی تو وہ بتھے سے اکھڑ گیا۔

"امی! آپ مجھے کیوں مجبور کر رہی ہیں۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں مجھے شادی کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں ..."

"کیوں بیٹا؟ آخر......؟"

"امی پلیز! مجھے کچھ وقت تو دیں کہ میں ندا کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کر سکوں۔ آپ بھی جانتی ہیں کہ اس کے اور میرے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ میں خود کو اس سے شادی پر آمادہ نہیں کر پا رہا۔" وہ بے بسی سے ماں کو تک رہا تھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو ولید۔ منگنی کو سال ہونے والا ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ ابھی تک ندا کو قبول نہیں کر پائے۔ آخر اور کتنا وقت چاہیے تمہیں۔"

"جتنا وقت مجھے مریم کو بھلانے......" وہ ایکدم زبان دانتوں تلے دبا گیا۔ بے اختیاری میں وہ ماں کے سامنے وہ کہہ بیٹھا تھا جو بات وہ خود سے چھپاتا پھر رہا تھا۔ منزہ بیگم گنگ سی بیٹھی رہ گئیں۔ کچھ لمحے یونہی گزر گئے۔

"آئی ایم سوری امی! جذبات میں میں شاید کچھ غلط کہہ گیا۔" وہ بے دم سا ہو کر صوفے پر ڈھے گیا۔

"ولید! تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ تم مریم سے......"

"امی! اس سے کیا فرق پڑتا۔ ہونا تو وہی ہے جو بڑوں کا فیصلہ ہے۔ بھلے اس سے کتنی زندگیاں برباد ہو جائیں۔" وہ بے حد تلخ ہو رہا تھا۔

"کاش...... کاش میرے بس میں ہوتا تو میں مریم کی شادی تم سے......"

"نہیں امی۔" اس نے ماں کی بات قطع کی۔ "اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ آپ ایسا سوچیے گا بھی مت۔ اس کی شادی میں اب چند ہی دن رہ گئے ہیں اور پھر شاہ زر...... اس کا کیا قصور ہے۔ میں اس کی خوشیاں برباد نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے مریم سے سچی محبت کی ہے اور محبت وصل سے مشروط نہیں ہوتی۔ میں اپنی پاکیزہ محبت کو خود غرضی کی گرد سے داغدار نہیں کرنا چاہتا۔ میری محبت کی تسکین کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ مریم کو شاہ زر جیسا باوقار اور چاہنے والا جیون ساتھی مل رہا ہے۔ مجھے ان دونوں کی خوشی عزیز ہے۔" اس کی آواز رندھ گئی۔ وہ یہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔ منزہ بیگم کا دل کٹ کر رہ گیا۔

○☆○

ابٹن مایوں کی تقریب تھی۔ دونوں گھروں میں خوب چہل پہل تھی۔ سب مہمان علی رضا کے ہاں اکٹھے تھے۔ وائٹ کلف لگے کرتا شلوار اور زرد چنری کا صافہ گلے میں ڈالے شاہ زر کی شان ہی نرالی تھی۔ خوب ہلا گلا ہو رہا تھا۔ مریم اوپر اپنے کمرے میں تھی۔

"ایک منٹ میں ابھی آیا۔" شاہ زر اٹھ کر اندر کی طرف چلا گیا تو لڑکے لڑکیوں کی ہو ہا سے فضا گونج اٹھی۔

"اوں ہوں۔" مریم کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے وہ کھنکھارا تھا۔ مریم نے گھبرا کر سر پر اوڑھے زرد دوپٹے کا گھونگھٹ نکالا تھا۔ پچھلے پندرہ دنوں سے وہ شاہ زر سے مکمل پردے میں تھی۔

"شاہ بھائی نو چیٹنگ چلیے یہاں سے۔ یہ نو انٹری ہے۔" مریم کی عزیز از جان سہیلی رمنا نے چہک کر کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"جناب فی الحال تو آپ کباب میں ہڈی والا رول پلے کر رہی ہیں جو آپ پر بالکل سوٹ نہیں کر رہا۔"

"مطلب؟"

"میں مریم سے تنہائی میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"صبر کیجیے۔ چند دنوں کی تو بات ہے پھر جی بھر کر تنہائی میں گفتگو کیجیے گا۔" رمنا کچھ منہ پھٹ واقع ہوئی تھی۔

"بات کچھ خاص ہے اور اس کے لیے میں چند دن تو کیا چند لمحے بھی صبر نہیں کر سکتا اس لیے پلیز۔" شاہ زر کا لہجہ ایسا متانت بھرا تھا کہ رمنا کو مانتے ہی بنی۔ وہ نکلنے لگی تو مریم نے گھبرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"مریم! پلیز گھبراؤ نہیں۔ میں تم سے چند ضروری باتیں ڈسکس کرنے آیا ہوں۔" شاہ زر کے لہجے میں دور دور تک کسی شرارت کا شائبہ تک نہ تھا۔ مریم کا ماتھا ٹھنکا۔ رمنا جا چکی تھی۔

"کیسی باتیں؟" وہ الجھن میں تھی۔

"بات دراصل یہ ہے کہ......" شاہ زر نے بات شروع کی۔

اگلے دس منٹ میں وہ ہلکا پھلکا سا مہمانوں کے درمیان بیٹھا تھا۔ مریم کو رسم کے لیے لایا جا رہا تھا۔ وہ لبوں پر دھیمی سی مسکان سجائے بیٹھا تھا۔ اس سے کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ ولید کے دل پر کیا گزر رہی تھی۔ رسم تمام ہوئی۔ شاہ زر کے دوست اور کزنز مل کر بھنگڑا ڈال رہے تھے۔ ولید کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"ولید کیا ہوا یار۔ تم کیوں اتنے الگ تھلگ بیٹھے ہو۔" شاہ زر کے اچانک آ جانے پر ولید نے گھبرا کر آنسوؤں کو اندر دھکیلا تھا۔ اس کی یہ حرکت شاہ زر سے مخفی نہیں رہ سکی تھی۔

"کم آن ادھر آ کر سب کے درمیان بیٹھو۔" اور شاہ زر کی بات وہ بھلا کہاں ٹال سکتا تھا۔ زخمی دل اور خالی دامن لیے وہ سب کے درمیان آ بیٹھا۔

مایوں کی رسم کے دو دن بعد مہندی کی تقریب تھی۔ جس میں سب نے خوب ہلا گلا کیا تھا۔

"تو محبت کا یہ سفر ختم ہوا۔" مریم نے دکھ سے سوچا اور سر سیٹ کی بیک سے ٹکا دیا۔ آج بارات تھی۔ وہ اس وقت فائقہ بھابی کے ہمراہ پارلر جا رہی تھی۔ جہاں اس کے پور پور کو سنوارا جانا تھا۔ آج وہ ہمیشہ کے لیے ایک ایسے شخص کی شریک حیات بننے جا رہی تھی جس سے وہ محبت نہیں کرتی تھی اور جس سے محبت کرتی تھی وہ پہلے قدم پر ہی بچھڑ گیا تھا۔ "کیسا ظلم کیا ہے تقدیر نے میرے ساتھ اگر میرے نصیب میں ولید کا ساتھ نہیں تھا۔ تو پھر میرے دل میں اس کے لیے محبت کیوں ڈالی۔ میرے اللہ میری حالت پر رحم فرما۔ میرے دل پر میرا اختیار نہیں۔ تو تو مالک کل و صاحب اختیار ہے۔ میرے دل سے ولید کی محبت نکال دے۔ جب تن کا رشتہ شاہ زر سے جڑ رہا ہے تو من کیوں ہمک ہمک کر ولید کو پکار رہا ہے۔ میری مدد کر میرے مولا! میں تیری گناہ گار بندی ہوں۔ میں خلوص دل سے پوری وفا کے ساتھ شاہ زر کی زندگی میں داخل ہونا چاہتی ہوں۔ ولید کو بھلانے میں میری مدد فرما۔" اس نے اپنے بھیگے ہاتھوں کی طرف دیکھا جن پر شاہ زر کے نام کی مہندی لگی تھی اور ولید کے نام کے

digest library.com

آنسو۔

"چلو مریم اب یہ رونا دھونا بند کرو۔ پگلی رخصت تو ہر لڑکی کو ایک نہ ایک دن ہونا ہوتا ہے۔" فائقہ بھابی نے اس کے آنسوؤں کو ماں باپ کا گھر چھوڑنے کے دکھ سے تعبیر کیا تو وہ لب کاٹ کر رہ گئی۔

شادی ہال مہمانوں سے بھرا تھا۔ مریم پارلر سے تیار ہو کر آچکی تھی۔ سرخ زرتار شرارے میں وہ شعلہ جوالہ بنی ہوئی تھی۔ اس کا سوگوار حسن قیامت ڈھا رہا تھا۔ رات کے بارہ بجنے والے تھے اور دور دور تک بارات کا کچھ پتا نہ تھا۔ حسن رضا شدید غصے کے عالم میں کھڑے تھے۔ کئی بار فون کیا تو ہر بار یہی جواب ملا کہ بس نکلنے ہی والے ہیں۔ حیدر رضا بہن کے ساتھ بارات لانے کے لیے رک گئے تھے جب کہ باقی گھر والے شادی ہال پہنچ چکے تھے۔ جب گھڑی نے ڈیڑھ بجنے کا اعلان کیا تو مہمانوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ پونے دو کے قریب حیدر رضا اور عائشہ ستا ہوا چہرہ لے کر شادی ہال پہنچے تو ثانیہ بیگم کا ماتھا ٹھنکا۔ انہوں نے بے اختیار دل پر ہاتھ رکھا۔ دل نے کہا کچھ انہونی ہو گئی ہے۔ حسن رضا، حیدر، علی، عائشہ، ثانیہ اور منزہ بیگم ویٹنگ روم میں اکٹھے تھے۔

"بابا! مجھے معاف کر دیں بابا۔" عائشہ بیگم حسن رضا کے پیروں سے لپٹی فریاد کر رہی تھیں۔

"آخر ہوا کیا ہے؟" علی رضا جھلائے۔

"شاہ زر نے شادی سے انکار کر دیا ہے۔" حیدر رضا کے کہنے پر سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"کیا بک رہے ہو حیدر۔" حسن رضا غرائے۔

"بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں بابا۔ اس بدبخت نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ وہ گھر چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہے۔" عائشہ پھوپو بری طرح رو رہی تھیں۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کیسے کر سکتا ہے اور وہ بھی عین شادی کے وقت۔" ثانیہ بیگم کے لب تھرتھرا کر رہ گئے۔

"وہ گھر سے مغرب کے وقت سے غائب ہے۔ ہم نے ایک بجے تک اس کا انتظار کیا۔ موبائل پر رنگ کیا مگر......" عائشہ ایک بار پھر ہچکیوں سے رو رہی تھیں۔

"اس کے کمرے سے یہ خط ملا ہے۔" حیدر رضا نے کوٹ کی جیب سے ایک کاغذ نکال کر حسن رضا کو تھمایا۔

امی!

میں جا رہا ہوں مجھے مریم سے شادی نامنظور ہے۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجیے گا۔

آپ کا بدنصیب بیٹا

شاہ زر گردیزی

یہ مختصر سی تحریر حسن رضا کو بھڑکا گئی۔ وہ مضبوط اعصاب کے مالک تھے اس لیے ضبط کر گئے۔

"ہائے میری معصوم بچی، اب کیا ہوگا، اس کی تو زندگی برباد ہو گئی۔" ثانیہ بیگم کے رونے پر سب مغموم ہو گئے۔

"اب کیا ہوگا؟ اتنے مہمانوں کو کس طرح یہ بتایا جائے کہ یہ شادی کینسل۔"

"یہ شادی کینسل نہیں ہوگی۔" حیدر رضا کی بات منزہ بیگم نے قطع کی تو سب چونک کر انہیں دیکھنے لگے۔

"کیا مطلب؟"

"بابا! آپ کی اجازت سے میں مریم کی شادی ابھی اور اسی وقت ولید سے کروانا چاہتی ہوں۔" منزہ بیگم کی بات پر سب منہ کھولے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ولید کی منگنی تو ندا......" ثانیہ بیگم نے کہنا چاہا۔

"بھابی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" عائشہ پھوپو نے سب کو حیران کر دیا۔

"ہاں بابا، ندا کی تو صرف منگنی ہوئی ہے۔ اس کی شادی تو کہیں بھی ہو سکتی ہے۔ مریم...... مریم کی زندگی برباد ہو یہ میں نہیں ہونے دوں گی۔ اس طرح بارات لوٹ جانے کا مطلب ہمیشہ کے لیے مریم کی بدنامی ہے اور میں ایسا نہیں چاہتی۔ ابھی اور اسی وقت ولید کا نکاح مریم سے ہوگا۔" عائشہ پھوپو نے ماں سے بڑھ کر پھوپی ہونے کا حق نبھایا تھا۔ چند لمحے پہلے مغموم چہروں پر مسکراہٹ در آئی۔ سائرہ، مائرہ پر تو جیسے شادی مرگ طاری ہو گئی تھی۔ خاص طور پر سائرہ بے پناہ خوش تھی کہ مریم جیسی لڑکی اس کی بھابی بننے جا رہی تھی۔ ندا سکتے کی حالت میں تھی اور مریم وہ ابھی تک سمجھ ہی نہیں پائی تھی کہ

یہ سب کیا ہو رہا تھا۔ اس کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ محبت ملنے کی خوشی پر ٹھکرائے جانے کی ذلت بھاری تھی۔ وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ لوگ کیا کہیں گے۔ بھلے اس سب میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا مگر کیچڑ تو اسی کی ذات پر اچھالا جائے گا۔ قیامت سے پہلے اگر قیامت ہوتی ہے تو وہ یہ کہ بھری بارات میں لڑکا شادی سے انکار کردے۔ اس سے بڑی ذلت ایک لڑکی کے لیے اور کوئی نہیں۔ یہ سب سوچ کر ہی مریم کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔ نکاح نامے پر دستخط کرتے ہی وہ ماں کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ دیکھنے والوں نے اپنی مرضی کے مطلب اخذ کر لیے۔ خود ثانیہ بیگم یہی سمجھ پائی تھیں کہ شاید ان کی بیٹی شاہ زر سے محبت کرنے لگی تھی۔ بڑی مشکل سے مریم کو چپ کروایا۔ ولید اپنی جگہ حیران پریشان تھا۔ ''اگر مریم کو میری ہی بننا تھا تو پھر اتنا ہیر پھیر کیوں' واہ مولا تیری حکمتیں تو ہی جانے۔'' وہ سوچ رہا تھا جب مریم کو اس کے پہلو میں بٹھایا گیا۔ عائشہ پھوپو بدحواس آنکھوں سے یہ سب دیکھ رہی تھیں۔ ندا پہلے ہی غم و غصے کی کیفیت میں واک آؤٹ کر گئی تھی۔

رخصتی ہو رہی تھی۔ مریم کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔ حواس ساتھ چھوڑنے لگے تھے۔

digest library.com

''ارے نہیں بہن' لڑکا عقلمند ہوگا جس نے اپنی جان چھڑالی۔ ضرور لڑکی میں ہی کوئی عیب ہوگا۔'' کسی خاتون کی آواز مریم کے کان میں پڑی تو رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ وہ لہرا کر دائیں طرف کھڑے ولید کے بازوؤں میں آ رہی۔ اس چویشن پر جی بوکھلا گئے۔ شادی ہال سے گھر کا فاصلہ تھوڑا سا تھا۔ بھاگم بھاگ گھر پہنچے۔ ولید اپنے بازوؤں میں اٹھا کر اسے کمرے تک لایا۔ حماد نے فوراً اس کا چیک اپ کیا۔ سب لوگ پریشان کھڑے تھے۔ عائشہ پھوپو اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہی تھیں۔ ثانیہ بیگم کا الگ رو رو کر برا حال تھا۔ سائرہ بھی پھوپی کو سنبھالتی تو کبھی ثانیہ بیگم کو سمجھاتی۔ منزہ بیگم مریم کے پاس تھیں۔

''فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ صدمے کی وجہ سے یہ بے ہوش ہو گئی ہے۔ لگتا ہے اس نے صبح سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں ہے۔'' حماد نے تسلی دی تو سب کی جان میں جان آئی۔ مریم کو ڈرپ لگا دی گئی تھی۔ رفتہ رفتہ سب لوگ چلے گئے۔ مریم کے پاس صرف منزہ' سائرہ اور ولید رہ گئے۔

''امی! آپ جا کر آرام کریں۔ میں ہوں ناں مریم کے پاس۔ جاؤ سائرہ امی کو لے جاؤ۔'' ولید نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا جو ساڑھے تین بجنے کا اعلان کر رہی تھی۔

''اب نیند کیسے آئے گی۔ میں اپنے کمرے میں ہوں۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو کہہ دینا۔'' منزہ بیگم اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کے پیچھے پیچھے سائرہ بھی نکل گئی۔ ولید نے اٹھ کر دروازہ بند کیا۔ ایک نظر مریم پر ڈالی تو گویا نگاہ ہٹانا بھول گیا۔ حوروں کا سا حسن سمیٹے وہ مدہوش تھی۔ بائیں بازو میں لگی ڈرپ قطرہ قطرہ گر کے آب حیات کی طرح اس کے لہو میں شامل ہو رہی تھی۔ اس کا یہ سجا سنورا روپ نگاہوں کو خیرہ کرنے لگا۔ بکھرے بھیگے سرخ لبوں کا گداز اور عارضوں پر سایہ فگن گھنیری پلکیں وہ ایکدم رخ موڑ گیا۔ جانے کیوں خود کو سرزنش کی۔ اگرچہ وہ اب اس پر حق رکھتا تھا مگر وہ اپنے حق کی چوری کا قائل نہ تھا۔ کپڑے چینج کر کے آیا تو مریم اسی طرح غافل تھی۔ وہ کرسی بیڈ کے قریب کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اسی مدہوشی میں مریم کسمسائی۔ ولید نے دیکھا اس کے بائیں گال پر جھمکے کا نشان پڑ گیا تھا۔ اتنی افراتفری میں کسی کو خیال ہی نہیں آیا تھا کہ اس کا لباس اور زیور وغیرہ اتار دیتے۔ اتنے بھاری لباس اور زیورات میں وہ یقیناً بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ اس نے سوچا منزہ بیگم یا سائرہ کو بلا لائے تاکہ وہ یہ کام سرانجام دے سکیں۔ اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ اٹھ کر دروازے تک گیا مگر پھر جانے کیا سوچ کر پلٹ آیا۔ کچھ دیر یونہی کشمکش کے عالم میں کھڑا رہا۔ مریم کے قریب بیڈ پر بیٹھ گیا۔ بڑی احتیاط سے اس کے تمام زیورات اتارے۔ بھاری زرتار دوپٹہ سر پر اور بیڈ پر پھیلا ہوا تھا۔ وہ اتار کر ایک طرف رکھا۔ اب اسے محسوس ہوا کہ مریم کچھ پرسکون ہو گئی تھی۔ زیورات اٹھا کر دراز میں ڈالے اور خود ایک بار پھر کرسی پر آ بیٹھا۔ وہ

منٹوں بعد ڈرپ ختم ہوئی تو اس نے ڈرپ اتار دی اور مریم پر کمبل ڈال دیا۔ وہ سکون سے سو رہی تھی۔

دور کہیں فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں۔ وہ وضو کرنے کی غرض سے اٹھ گیا۔ نماز پڑھ کے واپس آیا تو مریم جاگ رہی تھی۔

"صبح بخیر۔" ابھی وہ یہ سمجھنے کی کوشش ہی کر رہی تھی کہ وہ اس وقت کہاں تھی کہ ولید کی آواز پر چونک گئی۔ ولید کو دیکھ کر اسے ایکدم احساس ہوا کہ وہ کہاں تھی۔ رات کی نسبت اب وہ قدرے پرسکون تھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟" ولید اس کے قریب بیٹھ گیا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"بہتر ہے۔" آواز دھیمی سی تھی۔ اپنے مقام اور وقت کا احساس ہوا تو خود بخود ولید سے ڈھیروں شرم آنے لگی۔ وہ نظریں جھکائے کمبل سینے تک اوڑھے بیٹھی تھی۔

"کھانے کے لیے کچھ لاتا ہوں۔" اس کی گھبراہٹ محسوس کر کے ولید خود ہی اٹھ کر باہر نکل گیا۔ مریم چکراتے سر کو تھام کر اٹھی۔ واش روم سے فارغ ہو کر آئی تو ولید آ چکا تھا۔

"یہ سیب کھاؤ اور جوس۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس نے ولید کی بات قطع کی۔

"غلط بالکل غلط۔ تم نے کل سے کچھ نہیں کھایا۔ پہلے بھی کمزوری کی وجہ سے بے ہوش ہوئی تھیں۔ چلو شاباش! فٹافٹ یہ سیب کھاؤ۔ پھر یہ جوس بھی پینا ہے۔" وہ ابھی کھا پی کر فارغ ہی ہوئی تھی کہ منزہ بیگم اور عطیہ بھابی آ گئیں۔

"اب کیسی طبیعت ہے میری بچی کی؟" منزہ بیگم نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے دریافت کیا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھائیں۔

"عطیہ! بیٹا سائرہ سے پوچھو مریم کے کپڑوں کا سوٹ کیس کہاں رکھا ہے۔ رات کو فہد دے گیا تھا۔ میں تو ایسی بوکھلائی ہوئی تھی کہ پتا ہی نہیں کہ سوٹ کیس کہاں رکھ دیا اس نے۔"

"جی اچھا۔" عطیہ بھابی منزہ بیگم کے بھائی کی بہو تھیں۔ کچھ ہی دیر میں سائرہ، مائرہ بھی آ گئیں۔ وہ لوگ مریم کو تیار کر رہی تھیں۔ ولید اٹھ کر باہر چلا گیا۔ پرپل کلر کا جارجٹ کا ہلکے ہلکے کام والا لباس سائرہ نے اس کے لیے منتخب کیا تھا۔ عطیہ بھابی نے اس کا میک اپ کیا۔ اتنے میں ثانیہ بیگم اور کچھ کزنز وغیرہ چلی آئیں۔ ماں کو سامنے دیکھ کر نہ جانے کیوں مریم کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ ولید اندر داخل ہوا تو وہ ثانیہ بیگم کے گلے سے لگی آنسو بہا رہی تھی۔ ولید کو دیکھ کر وہ آنسو پونچھنے لگی۔ کچھ ہی دیر بعد سائرہ نے ناشتہ لگنے کی اطلاع دی۔ سب لوگ چلے گئے۔ ولید اور مریم کے لیے ناشتہ کمرے میں ہی بھجوا دیا گیا۔ ولید رات بھر کا جاگا ہوا تھا اس لیے تھکن ہو رہی تھی۔ ناشتہ اس نے برائے نام کیا تھا۔ مریم نے اسی کے کہنے پر چند لقمے زہر مار کیے تھے۔

"آ......آپ سو جائیں رات بھر کے جاگے ہوئے ہیں۔" مریم نے لب کشائی کی۔

"اور تم؟" وہ بستر پر نیم دراز ہوتے ہوئے بولا۔ مریم عجب کشمکش میں تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ولید آرام کرے مگر خود سے یوں کمرے سے باہر جانا اسے عجیب لگ رہا تھا۔

"ادھر بیٹھو مریم۔" ولید نے اپنے قریب اس کے لیے جگہ بنائی۔ وہ جھجکتی ہوئی بیٹھ گئی۔

"تم پریشان تو نہیں ہو ناں؟" ولید کی بات پر مریم نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ "میرا مطلب ہے یہ سب اس قدر اچانک ہوا کہ......" اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ اندر آنے والی سائرہ تھی۔

"بھابی! دادا جان بلا رہے ہیں۔"

"مجھے؟" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو سائرہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"سائرہ میں کچھ دیر سونا چاہتا ہوں۔ پلیز مجھے ڈسٹرب مت کرنا۔" ولید کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا۔ جب کہ مریم، سائرہ کے ہمراہ دادا جان کے کمرے میں چلی آئی۔

"آؤ بیٹا بیٹھو۔" حسن رضا نے مریم کے سلام کا

جواب دینے کے بعد اسے اپنے پاس بٹھایا۔ ''سائرہ میں کچھ دیر تنہائی میں مریم سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

یہ اشارہ تھا کہ سائرہ چلی جائے مریم سر جھکائے گود میں رکھے ہاتھوں کو گھور رہی تھی۔

''ہمیں زندگی میں کبھی اپنے کسی فیصلے پر ملال نہیں ہوا اور یہ خدائے بزرگ و برتر کا کرم ہے کہ اس نے کبھی بھی مجھ ناچیز کے فیصلوں کو غلط ثابت نہیں ہونے دیا مگر اس بار......'' وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوگئے۔ ''مجھے اس بات پر بے حد رنج ہے کہ شاہ زر نے اپنا انتخاب غلط ثابت کیا۔ مجھے اس نابنجار سے اس حد تک نافرمانی کی امید نہیں تھی۔ ولید سلجھا ہوا اور باشعور لڑکا ہے۔ اس مشکل وقت میں اس نے بلا چوں و چرا ہمارا فیصلہ مان کر ہمیں رسوائی کے تاریک کنوئیں میں گرنے سے بچا کر ہمیں ہمیشہ کے لیے اپنا گرویدہ بنالیا ہے۔'' مریم چپ چاپ دادا جان کی باتیں سن رہی تھی۔ ''شاید شاہ زر تم جیسی اچھی لڑکی کے قابل ہی نہیں تھا۔ مجھے امید ہے کہ تم حالات سے باآسانی سمجھوتہ کرلوگی۔''

''دادا جان! آپ کو میری طرف سے کبھی کوئی شکایت نہیں ملے گی۔''

''جیتی رہو۔'' حسن رضا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور پرسکون سے ہوگئے۔

مریم کو ثانیہ بیگم اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ شام میں منزہ بیگم' سائرہ' مائرہ اور ولید اسے لینے کے لیے آئے۔ پھر سب ہی مل کر عائشہ پھوپو کے ہاں گئے۔ ولید اور باقی سب کا بھی یہی خیال تھا کہ شاہ زر کے کیے کی سزا عائشہ پھوپو کو دینا ناانصافی ہے۔ عائشہ پھوپو کتنی ہی دیر مریم کو سینے سے لگائے چپکے چپکے آنسو بہاتی رہیں۔

''پھوپو! پلیز اب رونا بند کریں۔'' ولید نے عائشہ کے آنسو پونچھے۔ ''میں بھی تو آپ کا بیٹا ہوں ناں۔''

''میں قربان میرے بچے' شاہ زر سے بڑھ کر مجھے عزیز ہے تو۔'' وہ دھیرے سے مسکرادیں۔

''بھابی! ندا نظر نہیں آرہی۔'' منزہ بیگم کے دریافت کرنے پر ایک تاریک سایہ ان کے چہرے پر لہرا گیا۔ اب وہ انہیں کیا بتاتیں کہ کل سے وہ کمرہ بند کیے بھوکی پیاسی بیٹھی ہے۔ رات کو گھر آکر اس نے چیزوں کی خوب توڑ پھوڑ کی تھی اور پھر عائشہ کے سمجھانے پر مزید بھڑ گئی تو عائشہ کا ہاتھ اٹھ گیا۔ تب سے وہ کمرے میں بند تھی۔ عائشہ پھوپو کی خاموشی سب کو اصل بات سے آگاہ کرگئی۔

''میں ندا سے مل کر آتی ہوں۔'' سائرہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''نن......نہیں سائرہ۔ رہنے دو۔ وہ دروازہ نہیں کھولے گی۔''

''مگر پھوپو۔ اس طرح وہ...... اگر اس نے خود کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو......'' مریم کے لہجے میں محسوس کی جانے والی فکرمندی تھی۔

''بھابی! میں تو اولاد کے معاملے میں بھی بدقسمت نکلی۔'' عائشہ پھوپو کا لہجہ گلوگیر ہوگیا۔

''فکر نہ کرو عائشہ۔ بچی ہے۔ اتنا بڑا دھچکا لگا ہے اسے۔ سنبھلتے سنبھلتے ہی سنبھلے گی۔ تم فکر نہ کرو۔ میں بابا جان سے کہتی ہوں۔ صرف وہ ہی اسے سمجھا سکتے ہیں۔'' منزہ نے تسلی دی۔

''مریم تم کیسی ہو؟'' عائشہ پھوپو کو اس کی طبیعت کے بارے میں دریافت کرنا اب یاد آیا تھا۔

''بالکل ٹھیک ہوں پھوپو۔''

''آج رات کا کھانا سب کا میری طرف ہے۔'' ثانیہ بیگم نے لب کشائی کی۔ ''عائشہ آپا ندا کو بھی ساتھ لائیے گا۔''

''ارے مریم اور ولید شادی کے بعد پہلی بار میرے گھر آئے ہیں کھانا تو سب ادھر ہی کھائیں گے۔''

''پھر کبھی عائشہ آج تو ثانیہ نے انتظام کر رکھا ہے ڈنر کا۔'' منزہ بیگم کے کہنے پر پھوپو خاموش ہوگئیں۔

''اچھا چائے تو پینی پڑے گی۔ میں ابھی بنواتی ہوں۔'' عائشہ پھوپو ملازمہ کو چائے بنانے کا کہنے کے لیے اٹھ گئیں۔ چائے پی کر وہ لوگ علی رضا کے گھر چلے آئے۔ عائشہ پھوپو تنہا ہی آئی تھیں۔ ندا باہر نکلی نہیں مانی تھی۔ اس کی یہ ضد عائشہ کو مزید شرمندہ کررہی تھی۔ اولاد کی سرکشی نے انہیں توڑ کر رکھ دیا تھا۔ حسن رضا نے کہہ دیا تھا کہ وہ صبح خود ندا سے بات کریں گے۔ رات گئے ان

digest library.com

دونوں کی واپسی ہوئی تھی۔ اپنے کمرے میں قدم رکھتے ہی ولید اور مریم کو خوشگوار سی حیرت ہوئی۔ بیڈ روم حجلہ عروسی کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ مریم کے جہیز کا فرنیچر وہاں سیٹ کر دیا گیا تھا۔ لائٹ گرین اور ڈل گولڈ فرنیچر کے ساتھ میچنگ پردے اور قالین اور پورے کارپٹ پر جابجا سرخ گلاب کی پتیاں بکھری تھیں۔ پھولوں کی سیج نے بیڈ کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"کیسا لگا سرپرائز؟" سائرہ کی آواز پر وہ دونوں پلٹ کر مڑے۔

"یہ سب تم نے......" ولید نے لب کشائی کی۔

"جی جناب آئیڈیا میرا تھا اور پریکٹیکل آپ کے دوستوں نے کیا۔" ولید کے لبوں پر آسودہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"جناب خالی خولی مسکرانے سے کام نہیں چلے گا۔ نکالیے ہمارا نیگ۔" سائرہ بھی وہاں آدھمکی۔

"کس بات کا؟" وہ شرارت سے ہنسا۔

"ارے اتنی اچھی بھابی لا کر دی اور......" سائرہ نے ہے آنکھیں دکھائیں تو وہ ہنس کر والٹ نکالنے لگا۔

"بجٹ فی الحال تو......" وہ والٹ کھول ہی رہا تھا کہ سائرہ نے اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔

"تھینک یو بھائی۔ سو نائس آف یو۔" ہزار ہزار کے نوٹ نکال کر خالی والٹ ولید کی ہتھیلی پر رکھا اور لمحوں میں یہ جا وہ جا۔

"پاگل۔" وہ ہنستے ہوئے اندر کی طرف مڑ گیا۔ مریم حیرت زدہ سی بیڈ پر بیٹھی تھی۔ ولید کو اس کا انداز کچھ کھویا کھویا سا محسوس ہوا۔

"مریم۔" اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونکی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"کچھ نہیں۔" وہ دھیرے سے نفی میں سر ہلا کر رہ گئی۔

"ادھر دیکھو۔ میری طرف۔" ولید نے اس کا چہرہ اپنے دائیں ہاتھ سے اونچا کیا۔ "تم رو رہی ہو؟"

"نن...... نہیں تو۔" پلکیں جھپک جھپک کر آنسوؤں کو اندر دھکیلا۔

"تمہارے ان آنسوؤں سے میں کیا اخذ کروں۔ افسوس یا خوشی؟"

"ولید۔" وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"آپ کو تو معلوم ہے کہ میں آپ سے......" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"پھر مجھے بتاؤ تم اتنی پریشان کیوں ہو؟" ولید کے تسلی آمیز لہجے پر اسے ذرا ڈھارس ملی۔

"مجھے دکھ اس بات پر نہیں ہے کہ شاہ زر نے مجھ سے شادی سے انکار کر دیا۔ افسوس تو مجھے اس ذلت اور رسوائی کا ہے جو میرے حصے میں آئی ہے۔" وہ اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

"اگر اسے ایسا ہی کچھ کرنا تھا تو اس نے یہ سب پہلے کیوں نہ کیا۔ میری بدنامی......"

"مریم! تم ایسا کیوں سوچتی ہو۔ تمہارا کوئی قصور نہیں ہے اس سارے معاملے میں۔" وہ عین اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں دونوں کے عکس واضح تھے۔ "تم یہ خیال اپنے دل سے نکال دو کہ تمہاری بدنامی ہوئی ہے یا لوگ تمہیں غلط سمجھیں گے۔ جب مجھے ان چیزوں کی پروا نہیں تو تمہیں بھی نہیں ہونی چاہیے۔ یہ سب تو نصیبوں کے کھیل ہیں۔ شاید ہمارا ملن اسی طرح لکھا تھا۔" ولید نے شانوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

"آنسو؟" اس نے اپنی انگلیوں کی پوروں سے آنسو چن لیے۔ "میں نے کہا نا میں تمہارے ساتھ ہوں اور میرے ہوتے ہوئے تمہیں کسی بات کو لے کر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" مریم بے اختیار اس کے سینے سے لگ کر سسک اٹھی۔ چند لمحے یونہی گزر گئے۔ آخر ولید نے دائیں ہاتھ سے اس کا چہرہ اونچا کیا۔

"آج تو ہماری محبت کی تجدید کا دن ہے۔ اسے یوں آنسوؤں میں مت بہاؤ۔" لہجے کی شوخی مریم کو بہت کچھ یاد کرا گئی۔ روئے روئے مکھڑے پر یکدم گلال سمٹ آیا تھا۔ اس نے دور ہونا چاہا مگر ولید نے فرار کی سب راہیں مسدود کر دی تھیں۔

"چلیے جناب لگتا ہے آپ کو کچھ زیادہ ہی بھوک لگی ہے جو پھوپو کے گھر پہنچنے کی جلدی مچائی ہوئی ہے۔"

رسٹ واچ باندھتا وہ اس کے ساتھ ہولیا۔

"لیجیے جناب' وی آئی پی گیسٹ پہنچ ہی گئے۔" مائرہ نے ہانک لگائی۔

"بالآخر۔" فہد نے ٹکڑا لگایا تو سب ہنس دیے۔

کھانا خاصے خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ ندا خلاف توقع خاصی چپ چپ سی تھی۔ اس کی یہ خاموشی مریم کو دکھی کر گئی۔ بہرحال وہ بھی ایک لڑکی تھی۔ احساسات و جذبات سے بھرا دل رکھنے والی لڑکی۔ منگیتر کا یوں چھن جانا اس کے لیے بھی تکلیف دہ تھا۔

"ندا!" مریم کے پکارنے پر ندا نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ہوں۔" محض ہنکارا بھرنے پر اکتفا کیا۔

"تم اتنی الگ تھلگ اور خاموش کیوں بیٹھی ہو؟"

"ہاہ۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔ "تو تم کیا مجھے بین کرتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہو۔" انداز خاصا جلا کٹا تھا۔

"خدانخواستہ ندا میں تو......"

"اتنی معصوم بننے کی ایکٹنگ مت کرو۔ مجھے تمہارے ہمدردی کے شیرے میں ڈوبے ترحم آمیز الفاظ کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ندا تم مجھے غلط......"

"اسٹاپ اٹ۔" یکدم اس کے چلانے پر سب لوگ متوجہ ہوگئے۔ اب تک دونوں میں دھیمی آواز میں گفتگو ہو رہی تھی۔

"تم آخر کیا چاہتی ہو مجھ سے۔ میرا سب کچھ تو چھین لیا اب میرا سکون برباد کرنا چاہتی ہو۔ تمہیں میری خاموشی بھی کھٹکنے لگی ہے۔ تم چاہتی ہو کہ میں روؤں' بین کروں' لوگوں کو تماشا دکھاؤں۔" ندا کی آواز خاصی اونچی ہوگئی تھی۔

"میں ایسا کچھ نہیں چاہتی۔ میں تو صرف......" مریم نے کہنا چاہا۔

"ندا بند کرو یہ تماشا۔" عائشہ پھوپو نے گھر کا تو وہ پیر پہنچتی چلی گئی۔

ماحول پر یکدم بوجھل پن غالب آ گیا۔ مریم اپنی جگہ چور سی بنی بیٹھی تھی۔

"مجھے صبح آفس جلدی پہنچنا ہے۔ ایک اہم میٹنگ ہے۔ چلو مریم۔" ولید سے وہاں بیٹھنا دوبھر ہوگیا۔ ندا کی اس حرکت پر وہ جی بھر کر تلملایا تھا اور پھر عائشہ پھوپو اسے روکتی ہی رہ گئیں۔ وہ نہ رکا اور مریم کو لے کر چلا آیا۔

"آئی ہیٹ ہر۔" غصے میں کرسی کو ٹھوکر ماری۔ مریم کی بے عزتی تو وہ برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا۔ مریم خالی الذہنی کی کیفیت میں بیڈ پر بیٹھی تھی۔

"مریم۔"

"ہوں۔" ولید کے پکارنے پر وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

digest library.com

"تم ٹھیک ہو ناں؟" وہ اس کے لیے فکرمند ہو رہا تھا۔ اتنی محبت' اتنا خیال' مریم کی آنکھیں بھر آئیں۔

"ولید! مجھے کسی کی باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ میں جانتی ہوں کہ آپ میرے ساتھ ہیں۔ ندا بری نہیں ہے مگر وہ جس کیفیت سے گزر رہی ہے میں اس سے گزر چکی ہوں۔ محبت چھن جائے تو یونہی درد ہوتا ہے۔" لہجے میں لڑکھڑاہٹ در آئی ہے اور......

"مریم! تم خود اچھی ہو اس لیے سب کو اچھا سمجھتی ہو۔" ولید نے اس کی بات قطع کی۔

"وہ جذباتی لڑکی ہے اس لیے۔" وہ ایک لمحے کو رکی۔ "اپنی فیلنگز کو چھپا نہیں پا رہی' محبت......"

"یک طرفہ محبت۔" ولید نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹی۔ "جب محبت یک طرفہ ہو تو یہ بات خود سے بھی چھپانی چاہیے مگر وہ ہے کہ تماشا بنانے پر تلی ہے۔"

"مگر وہ......"

"تم اس کی وکالت کیوں کر رہی ہو؟" کچھ سوچ کر ولید مسکرانے لگا۔ "ایک پتے کی بات بتاؤں؟" وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔ "کبھی بھی اپنے شوہر کے سامنے کسی دوسری لڑکی کی تعریف یا حمایت نہیں کرنی چاہیے۔ یہ بات گرہ میں باندھ لینا' اوکے۔" وہ دھیرے سے اس کا گال تھپکتا اٹھ کر کپڑے چینج کرنے چلا گیا جب کہ مریم

اس کی بات پر دھیرے سے مسکرا کر رہ گئی۔

O☆O

بھیڑ میں تنہائی میں
پیاس کی گہرائی میں
درد میں رسوائی میں
مجھے تم یاد آتے ہو

ڈیک پر فل والیوم میں یہ گانا بج رہا تھا اور وہ اپنے بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی تھی۔

"تومی۔" دو تین بار پکارنے پر بھی کوئی اثر نہ ہوا تو انہوں نے بڑھ کر ڈیک آف کر دیا۔ امثال نے یکدم چونک کر دیکھا۔

"او پاپا آپ۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے بیٹا۔ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" فیروز ہاشم نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"آئی ایم فائن پاپا۔"

"غلط بالکل غلط۔ میں دیکھ رہا ہوں۔ کافی عرصے سے تم یوں کھوئی کھوئی اور الگ تھلگ رہنے لگی ہو۔ پارٹیز وغیرہ میں جانا بھی ختم کر دیا ہے اس روز بھی میں زبردستی تمہیں حیدر کے بیٹے کے ولیمے پر لے کر گیا تھا۔ کوئی پرابلم ہے تو مجھے بتاؤ۔"

"نن...... نہیں پاپا کوئی پرابلم نہیں ہے۔" وہ بڑی مشکل سے دل کا درد چھپا پائی تھی۔

"ایسا ہے تو فوراً تیار ہو جاؤ۔ ہم پارٹی میں چل رہے ہیں۔"

"مگر پاپا میرا ان بزنس پارٹیز میں جانے کو دل نہیں چاہتا۔"

"فار مائی سیک مائی چائلڈ۔ میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں تم لوگوں سے ملو۔ میں جانتا ہوں کہ کی کے بعد تم......"

"پلیز پاپا میں اپنی زندگی کا یہ چیپٹر کلوز کر چکی ہوں۔"

"پھر یہ ہر وقت اداس چہرہ، مردم بیزاری یہ سب کیا ہے۔" وہ کچھ بھی نہ بول پائی۔

"او کے پاپا میں چلوں گی آپ کے ساتھ۔" وہ دھیرے سے کہہ کر وارڈ روب میں سے کپڑے سلیکٹ کرنے لگی۔ فیروز ہاشم اس پر ایک سوچتی ہوئی نظر ڈال کر باہر نکل گئے۔ پارٹی ہمیشہ کی طرح اس کے لیے بور ہی تھی۔ یہ بورنگ پارٹیز اسے کبھی بھی اٹریکٹ نہیں کرتی تھیں۔ بڑے بڑے بزنس مین اور بیورو کریٹس اپنی فیملیز کے ساتھ وہاں موجود تھے۔ پی سی کے خنک بستہ ہال میں یہ پارٹی جاری تھی۔ وہ چہرے پر بے زاری سجائے ہاتھ میں کولڈ ڈرنک لیے یونہی بیٹھی تھی۔

"کتنے کٹھور ہو تم' کیا کوئی مرد اتنا ظالم بھی ہو سکتا ہے۔" یونہی خیال کی بدلیاں اس ایک شخص کی جانب پرواز کر گئیں جس کی کج ادائیوں نے اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا اور پھر خیال مجسم بن گیا۔ ہاں وہی تو تھا گلاس وال کے پار وہی تو تھا۔ وہ خود کو لاکھ سمجھانے کے باوجود نہ روک پائی اور ہال سے باہر نکل آئی مگر اب وہ وہاں نہیں تھا۔

"کہاں گیا؟ ابھی تو یہیں تھا۔" اس نے اضطرابی کیفیت میں ارد گرد نگاہ دوڑائی۔ "شاید یہ میرا وہم ہے۔" سر جھٹک کر آگے بڑھنے لگی مگر دوسرے ہی لمحے آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ سامنے کسی شخص کے ساتھ کھڑا تھا۔ بلیک پینٹ اور پرپل شرٹ میں وہ بے حد وجیہہ لگ رہا تھا۔ امثال وہیں رک کر اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ پانچ منٹ بعد اس نے دیکھا کہ وہ اس شخص سے الوداعی مصافحہ کر رہا تھا۔

"ہیلو۔" امثال کے پکارنے پر وہ چونک کر پلٹا تھا۔

"آپ۔" مسکراتے لب بھینچ گئے۔

"میں نے کہا تھا ناں کہ میں آپ کو ڈھونڈ نکالوں گی چاہے آپ جہاں بھی چلے جائیں۔"

"آئی تھنک مجھے چلنا چاہیے۔" وہ آگے بڑھنے لگا تو امثال اس کے سامنے آ گئی۔

"پلیز میری بات تو سنیے۔"

"مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی۔ میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ مجھے آپ سے کوئی تعلق نہیں رکھنا۔"

"اور اسی لیے آپ نے اپنا گھر تبدیل کر لیا۔ آپ کو ڈر تھا کہ میں زبردستی آپ کے گھر پہنچ جاؤں گی۔" ایک

زخمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی۔

"مجھے اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنی۔" وہ آگے بڑھ گیا۔ امثال نے ڈبڈبائی نظروں سے اس کا تعاقب کیا یہاں تک کہ وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

"ہر بار میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے۔" دل پوری شدت سے تڑپا تھا مگر وہ اپنے آپ کو بالکل بے بس محسوس کر رہی تھی۔

○☆○

"السلام علیکم دادا جان۔" سائرہ نے برآمدے میں موجود حسن رضا کو سلام کیا جو کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے۔

"وعلیکم السلام، جیتی رہو۔"

"آنٹی اندر ہیں ناں۔" اس نے یونہی دریافت کیا۔

"نہیں وہ ادھر عائشہ کی طرف گئی ہے۔"

"میں مینگو پڈنگ لائی تھی۔ فریج میں رکھ دیتی ہوں۔"

"ہاں رکھ دو اور دیکھو یہ میٹھی چیزوں کا میرے سامنے نام مت لیا کرو۔ خواہ مخواہ کھانے کو دل مچلنے لگتا ہے۔" وہ شگفتگی سے مسکرائے۔

سائرہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

"زہے نصیب، زہے نصیب۔ آج تو بڑے بڑے لوگ یہاں موجود ہیں۔" وہ فریج میں پڈنگ کا ڈونگا رکھ کر پلٹی تو حماد کو موجود پایا۔

"خیریت آج چھوٹے چھوٹے لوگ اسپتال کیوں نہیں گئے؟"

"تھینک گاڈ، تم نے یہ تو تسلیم کیا کہ میں تم سے چھوٹا ہوں۔" وہ مسکرایا۔ "عمر میں۔" مزید وضاحت دی تو سائرہ تپ گئی۔

"اف توبہ، آپ تو عمر کے بارے میں لڑکیوں سے بھی زیادہ کانشس ہیں۔"

"عمر یا بیتی جائے کوئی رشتہ نہ آئے۔" فہد کی آواز پر وہ دونوں پلٹے تھے۔ یقیناً وہ سائرہ کا آخری جملہ سن چکا تھا۔ اسی حساب سے گانا گا رہا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" حماد نے اسے گھورا۔

"سبحان اللہ یہ سوال تو مجھے آپ سے کرنا چاہیے۔"

"کیوں؟"

"یوں ہی۔" وہ فریج میں سے پیپسی کا ٹن اٹھاتا باہر نکل گیا۔ "سوری فور دی ڈسٹربنس۔" کچن کی کھڑکی سے جھانک کر کہا اور نو دو گیارہ ہو گیا۔

"یہ فہد کا بچہ بھی بس......" حماد نے دانت پیسے۔

"بری بات، جو ابھی تک اس دنیا میں آیا ہی نہیں اسے کوسنا بھلا کہاں کا انصاف ہے۔" فہد نے اندر جھانکا تو حماد اچھل پڑا۔

"تم ابھی تک یہیں ہو۔"

"سوری میں چپس کا پیکٹ یہیں بھول گیا تھا۔"

"میرا خیال ہے میں ہی چلا جاتا ہوں۔" وہ خفا ہو کر واک آؤٹ کر گیا۔

"ارے یہ بھائی صاحب تو سچ مچ خفا ہو گئے۔" فہد نے سر کھجایا۔

"تم حرکتیں جو ایسی کرتے ہو۔" سائرہ مسکرائی۔

"حرکتیں میں نہیں وہ کرتے ہیں۔ اب اس میں میرا کیا قصور کہ ہر بار ان کے رومینٹک سین میں بائی چانس ہی میری ان رومینٹک انٹری ہو جاتی ہے۔"

"فضول مت بکا کرو۔" سائرہ جھینپ کر بولی تھی۔

"ہاں جی ہم بولیں گے تو آپ کو تو لگے گا ہی کہ بک رہے ہیں۔ وہ بک بھی رہے ہوں گے تو لگے گا پھول جھڑ رہے ہیں۔" فہد نے سرد آہ بھری۔

"اب تم پٹ جاؤ گے میرے ہاتھ سے۔" سائرہ نے اسے مارنے کے لیے بیلن اٹھایا تو وہ سرد آہ بھر کر رہ گیا۔

"برے نصیب میرے ویری ہوا پیار میرا۔" دکھی لہجے میں گنگناتا وہ باہر نکل گیا۔ تو بے اختیار سائرہ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"مریم میری ڈائری کہاں رکھ دی ہے بھئی۔ کب سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا ہوں۔" ولید وارڈ روب میں سر دیے کھڑا تھا۔

"کون سی ڈائری؟" وہ گلدان میں پھول سجاتے ہوئے گویا ہوئی۔

"نیلے کور والی ڈائری۔ اس میں میرے بہت

digest library.com

امپورٹنٹ فون نمبرز ہیں۔"

"آپ ہٹیں یہاں سے۔ میں ڈھونڈتی ہوں۔ ایک ڈائری کے لیے پورے کمرے کا حلیہ بگاڑ دیا ہے جناب نے۔" ولید کو ایک طرف ہٹا کر وہ اب خود ڈائری تلاش کر رہی تھی۔

"کہیں یہ تو نہیں۔" مریم کے ہاتھ میں نیلے کور والی ڈائری تھی۔

"ہاں یہی ہے۔" ولید نے اس کے ہاتھ سے ڈائری لے لی۔

"سامنے ہی تو رکھی تھی۔ آپ بھی بس اوپر اوپر دیکھ کر چلانے لگتے ہیں۔"

"کچھ اور کیسے نظر آئے۔ آنکھوں پر تو تمہارے پیار کی پٹی بندھی ہے۔" وہ پٹڑی سے اترنے لگا۔

"آپ کو آفس سے دیر ہو رہی ہے۔ میں ناشتہ لگواتی ہوں۔" وہ چھپاک سے باہر نکل گئی تو ولید ہنس دیا۔

ولید کے آفس جانے کے بعد وہ اپنے میکے چلی آئی۔ کچھ دیر ماں سے گپ شپ کرنے کے بعد وہ آرام کی غرض سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس کا کمرہ اب بھی ویسا ہی تھا جیسے شادی سے پہلے تھا۔ ہر چیز اسی طرح پڑی تھی جیسے وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ بک شیلف میں رکھی کتابوں میں سے وہ اپنے لیے کتاب منتخب کر رہی تھی جب سرخ جلد والی کتاب پر ہاتھ ٹھہر گیا۔ اسے یاد آیا یہ کتاب شاہ زر نے کراچی جانے سے چند روز قبل اسے دی تھی اور اس نے بنا پڑھے بنا دیکھے وہ ایک طرف رکھ دی تھی۔

"اے مرے شریک وصال جاں" بڑے بڑے سنہری حروف میں کتاب کا ٹائٹل لکھا تھا۔ وہ کتاب لے کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"میرا ہر پل، ہر لمحہ، ہر سانس تمہارے نام۔"

خوب صورت لکھائی میں اگلے صفحے پر لکھا گیا تھا۔

اس کتاب میں شاعری کا انتخاب بہت لاجواب تھا۔ چند اشعار اور نظمیں انڈر لائن کی گئی تھیں۔ ایک نظم پر اس کی نگاہیں ٹھہر گئیں۔

پیار کی نئی دستک دل پہ پھر سنائی دی
چاند سی کوئی صورت خواب میں دکھائی دی
کس نے میری پلکوں پر تتلیوں کے پر رکھے
آج اپنی آہٹ بھی دیر تک سنائی دی
ہم غریب لوگوں کے آج بھی وہی دن ہیں
پہلے کیا اسیری تھی آج کیا رہائی دی
آسماں زمیں رکھ کر دونوں ایک مٹھی میں
اک ذرا سی لڑکی نے پیار کی خدائی دی

وہ کتاب ہاتھ میں لیے حیرت سے گنگ بیٹھی تھی۔ آخری صفحے پر خوب صورت ہینڈ رائٹنگ میں شعر درج تھا اور نیچے لکھا تھا۔

صرف تمہارا شاہ زر گردیزی۔

اپنے لیے شاہ زر کے ان جذبات پر وہ حیران ہوئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاہ زر محض ایک منگیتر ہونے کے ناتے اس سے التفات برتتا ہے۔ بھلا جو شخص چار سال مغرب میں گزار کر آیا ہو۔ اس کو اتنے کم وقت میں کسی سے محبت کیسے ہو سکتی ہے۔ وہ سمجھتی تھی کہ شاہ زر نے محض ماں کی خواہش پر سر جھکایا ہے۔ "محبت مجھ سے......" وہ کچھ الجھ سی گئی۔ "اگر وہ مجھ سے محبت کرتا تھا تو عین شادی والے دن اس طرح چھوڑ کر کیوں چلا گیا۔ وہ کتاب ایک طرف رکھ کر نیم دراز ہو گئی۔

"کیا تم اس رشتے پر خوش ہو؟" ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ کراچی جانے سے پہلے اس نے پوچھا تھا۔

"بات کچھ خاص ہے۔ اس لیے میں چند دن تو کیا چند لمحے بھی صبر نہیں کر سکتا۔" مایوں والے دن وہ اس کے پاس آیا تھا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ میں جاننا چاہتا ہوں کیا اس رشتے میں تمہاری مرضی شامل ہے؟" شاہ زر کی بات پر مریم نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ اس نے دوسری بار یہ بات پوچھی تھی۔ مریم نے دیکھا اس کے چہرے پر کسی شرارت کا کوئی عکس نہ تھا۔ بلکہ وہ از حد سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔

"میں اس بات کا جواب آپ کو دے چکی ہوں۔" وہ دھیرے سے رخ موڑ گئی تھی۔

"کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟" دوسرا سوال پوچھا تھا۔ وہ خاموش رہی۔

"کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟" اس نے پھر دہرایا۔

"آ......آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟" لہجہ کپکپا گیا۔

"اس لیے کیونکہ میں چاہتا ہوں شادی سے پہلے ہر بات کلیئر ہو جانی چاہیے۔"

"محبت چند لمحوں کا کھیل نہیں ہوتی شاہ زر' بعض اوقات تو یہ صدیوں پر محیط ہوتی ہے۔ محبت کو پنپنے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔"

"کیا مجھ سے پہلے تمہاری زندگی میں کوئی اور بھی تھا؟" شاہ زر کی اس بات پر مریم نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"جواب دو مریم۔" اس نے پوچھا مگر مریم اسی طرح خاموش کھڑی تھی۔ ڈبڈبائی آنکھیں' آنسوؤں پر بند باندھنے کی ناکام کوشش کرتی وہ شاہ زر پر سب کچھ عیاں کر گئی۔

"مجھے تمہاری خوشیاں عزیز ہیں مریم۔ اگر میرے بس میں ہوا تو تمہاری خوشیاں تمہیں ضرور دوں گا۔" وہ یہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔ مریم جہاں تھی وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔

"تو کیا شاہ زر جانتا تھا کہ میں ولید سے......" وہ ایکدم اٹھ بیٹھی تھی۔ سب گتھیاں سلجھتی چلی گئیں۔

"میں کتنا غلط سمجھی تھی تمہیں۔" وہ محض سوچ کر رہ گئی۔

ولید کے آفس سے آنے سے قبل وہ گھر آ گئی تھی۔ وہ خلاف معمول کچھ چپ چپ سا تھا۔ مریم نے اس کی یہ کیفیت بہ غور نوٹ کی تھی۔ اضطرابی کیفیت میں پیر جھلاتا وہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ولید! کیا بات ہے؟"

"ہاں۔" مریم کے پکارنے پر وہ چونکا تھا۔ "کچھ نہیں۔"

"طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟"

"مریم! کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ شخص جسے ہم اپنے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ دراصل ہمارے راستے میں آنے والے کانٹوں کو صاف کر رہا ہوتا ہے۔"

"ہاں مگر آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟" مریم کے ذہن میں ایکدم شاہ زر کا خیال آیا تھا۔

"یہ دیکھو۔" ولید نے اپنی شرٹ کی پاکٹ میں سے ایک کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

digest library.com

ولید!

جس وقت تم یہ خط پڑھ رہے ہو گے۔ معلوم نہیں میں کہاں ہوں گا' تم کہاں ہو گے۔ مجھے امید ہے تم یقیناً وہاں ہو گے جہاں تمہیں دیکھنے کے لیے میں یہ سب کر رہا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم میرے اتنے اچھے دوست ہو کہ دوستی کی خاطر اپنا پیار قربان کرنے پر تیار ہو گئے۔ کتنا خوش قسمت ہوں میں جسے تم جیسا پرخلوص دوست ملا۔ میں جان گیا ہوں کہ تم اور مریم ایک دوسرے کو بے حد چاہتے ہو۔ میں پتا نہیں بیچ میں کہاں سے آ گیا۔ اس روز میں نے تمہاری اور ممانی کی سب باتیں سن لی تھیں۔ اس سے مجھ پر واضح ہوا کہ تم مریم کو کتنا چاہتے ہو اور مریم تم سے پیار کرتی ہے۔ اس کا انکشاف مجھ پر کراچی جانے سے ایک روز قبل ہوا۔ میرے یقین کو پختگی اس روز ملی جب میں نے مایوں کے دن مریم سے بات کی۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ میں انجانے میں کتنی بڑی غلطی کرنے جا رہا تھا۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ پہلے سوچا انکار کر دوں مگر اس طرح انکار کرنے سے میرا مقصد پورا نہ ہوتا۔ مریم کی شادی مجھ سے نہ ہوتی کسی اور سے ہو جاتی اور وہ پھر بھی تمہاری نہ بن سکتی کیونکہ تم ندا کے ساتھ منسوب تھے۔ اس لیے میں نے پلان بنایا کہ عین بارات والے دن شادی سے انکار کر دوں۔ مجھے سو فیصد یقین تھا کہ دادا جان شادی کینسل نہیں کریں گے۔ میں جانتا ہوں میرا یہ قدم مجھے ہمیشہ کے لیے اپنوں سے دور کر دے گا مگر مجھے اس بات کی خوشی ہو گی کہ میں دو دلوں کو ملانے میں کامیاب ہو گیا۔ معلوم نہیں میرا مقصد کہاں تک پورا ہوتا ہے۔ اس وقت تو صرف اللہ سے دعا کر سکتا ہوں کہ وہ تم دونوں کی خوشیاں سلامت رکھے۔ زندگی رہی تو ضرور ملاقات ہو گی۔ دعا گو تمہارا دوست شاہ زر۔

مریم ہاتھ میں خط تھامے شاک کی سی کیفیت میں

کھڑی تھی۔ شاہ زر کی شخصیت کا یہ کون سا پہلو تھا جو اس کے سامنے آیا تھا۔ کتنا غلط سمجھا میں نے تمہیں شاہ زر اور تم......'' اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''آ......آپ کو یہ خط کہاں سے ملا؟''

''اسی نیلے کور والی ڈائری میں سے۔'' ولید اٹھ کھڑا ہوا۔ ''مریم کیا تمہیں نہیں لگتا ہمیں شاہ زر کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔'' ولید کے کہنے پر مریم نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''اب دیکھوناں۔ ہم دونوں کی خاطر وہ گھر والوں کی نظروں میں برا بن گیا۔ اس نے ہمارے پیار کے لیے اپنی ماں اور سگی بہن تک کی ناراضگی مول لے لی۔ اس نے ہماری خوشیاں ہمیں لوٹائی ہیں اور اب یہ ہمارا فرض بنتا ہے کہ اس کو اس کے حصے کی خوشیاں دیں۔''

''مگر کیسے؟''

''وہ صرف ہم لوگوں کی وجہ سے اپنے گھر سے' گھر والوں سے دور ہو گیا ہے اور اب میں ہی اسے واپس لے کر آؤں گا۔''

''میں آپ کے ساتھ ہوں ولید۔'' مریم نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تو وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

○☆○

ڈور بیل کافی دیر سے بج رہی تھی۔ اس کی طبیعت خراب تھی اس وجہ سے آفس بھی نہیں جا سکا تھا۔ بخار بھی کافی تیز ہو گیا تھا۔

''سلیم......سلیم' کہاں مر گیا یہ سلیم کا بچہ۔'' ملازم کو آوازیں دیں مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ آخر اسے خود ہی اٹھنا پڑا۔

''آپ!'' دروازے پر امثال فیروز کو دیکھ کر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''اندر آنے کو نہیں کہیں گے؟'' وہ بڑی آس سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''جی نہیں۔''

''مجھے معلوم تھا آپ یہی کہیں گے۔'' وہ دھیرے سے ہنسی۔

''آپ کو کوئی کام تھا کیا؟'' بخار کی حدت سے اس کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ سیاہ شلوار قمیض میں ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ وہ بے حد دلکش لگ رہا تھا۔

''بے مروت تو آپ ہیں ہی مگر اب ایسی بھی کیا بے مروتی کہ گھر آئے مہمان کو دہلیز پار کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔'' اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ کچھ کہہ ہی نہ سکا۔ وہ ایک طرف ہٹ گیا گویا اسے اندر آنے کا عندیہ دیا۔

''تھینکس۔'' وہ صوفے پر ٹک گئی۔

''مس امثال فیروز' کیا میں آپ کے آنے کی وجہ جان سکتا ہوں؟'' وہ سرخ سرخ آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔

''گھر تو آپ نے اچھا لیا ہے۔ ویری نائس۔'' وہ گھوم پھر کر جائزہ لینے لگی۔

''آپ یہاں کس مقصد سے تشریف لائی ہیں؟'' وہ خاصے ضبط کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ گزشتہ دو ماہ میں اس کی زندگی سرے سے بدل گئی تھی۔ اس کی شخصیت سرتاپا بدل گئی تھی۔ مزاج کی شگفتگی شعلوں میں بدل گئی تھی اور یہ لڑکی امثال فیروز جان بوجھ کر ان شعلوں کو ہوا دے رہی تھی۔

''آپ یقیناً حیران ہو رہے ہوں گے کہ میں یہاں تک کیسے پہنچ گئی۔ اپنے تئیں آپ نے تو مجھ سے چھٹکارا پانے کا بڑا آسان حل تلاش کیا تھا۔ شاید آپ یہ نہیں جانتے کہ محض گھر بدل لینے سے کسی سے فرار حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ بدل سکتے ہو تو اس دل کو بدل دو جو......''

''اسٹاپ اٹ' نہیں سننی مجھے تمہاری یہ بکواس......'' لہجے میں انگاروں کی لپک تھی۔ امثال فیروز کا دل ایک لمحے کو پوری قوت سے سکڑ کر پھیلا تھا۔

''آپ نے شاید کبھی کسی سے پیار نہیں کیا۔ آپ کیا جانیں پیار کیا ہوتا ہے۔ محبت کا درد کسے کہتے ہیں۔ اگر کسی سے پیار کیا ہوتا تو معلوم ہوتا کہ محبوب کی کج ادائی کیسی چوٹ پہنچاتی ہے۔''

''میں تم سے زیادہ بہتر جانتا ہوں کہ پیار کا درد کیا ہوتا ہے۔'' بازو سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اسے اپنے سامنے کیا تھا۔ ''تم کیا سمجھتی ہو میں پیار کرنا نہیں جانتا یا میرے

سینے میں دل نہیں ہے۔" اس کے ہاتھ کی سخت گرفت امثال کو پوری شدت سے اپنے بازو پر محسوس ہوئی تھی۔ "نہیں امثال فیروز تم کچھ نہیں جانتیں۔" ایک جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑ کر وہ دور ہو گیا تھا۔ "اس سے پہلے کہ میں کچھ کر بیٹھوں۔ چلی جاؤ یہاں سے۔" وہ بے دم سا ہو کر صوفے پر ڈھے گیا۔ اس سے وہ بہت تھکا تھکا اور ہارا ہوا انسان لگ رہا تھا۔ امثال نے دزدیدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ جی چاہا اس ٹوٹے ہوئے انسان کو اپنے ہاتھوں سے سمیٹ لے۔ جانے کون سا دکھ اس جیسے مضبوط انسان کو جکڑے ہوئے تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی اس کے قریب آئی۔ اس کے قریب کارپٹ پر بیٹھ کر امثال نے لرزتے ہاتھوں سے اس کے گھٹنے کو چھوا۔ وہ جو آنکھیں موندے بیٹھا تھا یکلخت چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ تو سمجھا تھا امثال جا چکی ہوگی۔

"محبت کرنے والے تو محبت کی زبان آسانی سے سمجھ لیتے ہیں۔ محبت کرنے والوں کا دل بے حد حساس ہوتا ہے یہ تو آپ جانتے ہوں گے ناں۔" آنسوؤں سے لبریز آنکھوں میں محبت کا سمندر موجزن تھا۔ وہ بے اختیار نظریں چرا گیا۔ امثال بہت امید سے اسے دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں آس کے جگنو ٹمٹما رہے تھے۔

"آپ جا سکتی ہیں۔" وہ جب بولا تو لہجے میں برف کی سی سردی تھی۔ اس کا ہاتھ اپنے گھٹنے پر سے ہٹا کر وہ کھڑا ہو گیا۔

"آپ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ آخر قصور کیا ہے میرا۔ یہی نا کہ پچھلے چار سالوں سے میں آپ سے محبت کرتی آ رہی ہوں۔ میں کیا کروں۔ کیسے سمجھاؤں اپنے اس نادان دل کو جو میرے اختیار میں نہیں ہے۔ آخر ایسی کیا مجبوری ہے آپ کے ساتھ کہ آپ میری محبت کو ٹھکرانے پر تلے ہیں۔" وہ یکدم چلا اٹھی تھی۔ آنسو تواتر سے گالوں پر بہہ رہے تھے۔ "سنا ہے عورت کے آنسو پتھر دل مرد کو بھی موم کر دیتے ہیں مگر تمہارا دل کون سی دھات سے بنا ہے کہ میرے آنسوؤں کی آنچ بھی نہیں پہنچ رہی۔"

"تم کیوں چاہتی ہو کہ میں خود کو تم سے محبت کرنے پر مجبور کروں۔" سرد لہجہ رگوں میں اتر گیا۔ "میں تم سے محبت نہیں کر سکتا۔ امثال فیروز محبتوں کو چھینا نہیں پایا جاتا ہے۔ محبت کی نہیں جاتی، محبت ہو جاتی ہے۔ یہ اپنا آپ خود تسلیم کرواتی ہے۔ کسی سے کہہ کر محبت کو تسلیم نہیں کروایا جاتا۔ جاننا چاہتی ہو تو سنو میں تم سے محبت نہیں کرتا اور نہ ہی مجھے کبھی تم سے محبت ہو سکتی ہے۔ نہ آج نہ کبھی۔ میں نے محبت کو اپنے بہت قریب آ کر دور جاتے دیکھا ہے۔ تمہارے لیے اتنا جاننا ہی کافی ہے کہ میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں اور وہ م از کم تم نہیں ہو امثال فیروز۔" الفاظ تھے کہ زہر میں بجھے تیر جو امثال فیروز کو اپنے پورے بدن میں پیوست ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔ یہ احساس ہی مار ڈالنے کو کافی تھا کہ اس کا محبوب کسی اور سے محبت کرتا تھا۔ وہ اس کی بے رخی کو اس کی شخصیت کا حصہ سمجھتی رہی تھی۔ یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ شخص جس کو دیکھ کر وہ جیتی تھی۔ جس کی ایک نگاہ سے وہ خود کو حسین سمجھنے لگتی تھی۔ جس کے بولنے سے وہ اپنے اردگرد نغمگی محسوس کرتی تھی۔ جس کے ہنسنے سے وہ جھومنے لگتی تھی۔ وہ شخص کسی اور سے محبت کرتا ہوگا۔

گھر آ کر بھی وہ کھوئی کھوئی سی رہی۔ چار برسوں پر محیط محبت اسے چالیس صدیوں کے برابر لگی تھی۔ اس نے پہلی بار اسے نیویارک میں دیکھا تھا۔ ان دنوں وہ چھٹیاں گزارنے کی غرض سے اپنے ماموں کے ہاں مقیم تھی۔ صبح سو کر اٹھنے کے بعد وہ عادتاً ٹیرس پر آ کھڑی ہوئی تھی تب اس کی نظر جاگنگ ٹریک پر موجود اس شخص پر پڑی تھی۔ بلیو اور وائٹ ٹریک سوٹ میں ملبوس وہ شخص اسے پہلی ہی نظر میں اچھا لگا تھا۔ وہ حسن پرست تو کبھی بھی نہیں رہی تھی مگر جانے کیوں اسے اس شخص کو دیکھنا اچھا لگ رہا تھا۔ وہ اب ایک جگہ رک کر ایکسرسائز کر رہا تھا۔ کبھی پنجوں کے بل اچھلنے لگتا، کبھی جھک کر دونوں ہاتھ پیروں کو لگاتا تو کبھی دونوں ہاتھ کمر پر ٹکا کر دائیں بائیں جھکتا۔ امثال کو جانے کیوں اس کو دیکھنا دلچسپ لگا۔ کچھ دیر بعد وہ ایکسرسائز مکمل کر کے واپس مڑ گیا۔ دوسرے دن بھی یہی ہوا۔ رفتہ رفتہ یہ سب معمول بن گیا۔ وہ باقاعدگی سے ایکسرسائز کرنے آتا تھا اور اسی

digest-library.com

باقاعدگی سے امثال اسے دیکھا کرتی تھی۔ صبح سات بجے جب کہ ہر طرف دھند چھائی ہوتی۔ وہ وہاں موجود ہوتا تھا۔ اپنی ٹائمنگز میں وہ بہت سیٹ تھا۔ کوئی دن ایسا نہیں تھا جب وہ وہاں موجود نہ ہو۔ شاید یہی اس کی فٹنس کا راز تھا۔

پورے دو ہفتے ہو گئے تھے امثال کو ایسا کرتے ہوئے۔ اس روز وہ خلاف معمول وہاں موجود نہیں تھا۔ امثال کو بے چینی نے آن گھیرا۔ اس نے دس بجے تک اس کا انتظار کیا مگر وہ نہ آیا۔ اگلے دو دن بھی اسی بے چینی میں گزر گئے۔ وہ روزانہ صبح اس کا انتظار کرتی مگر وہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ بے کلی تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ وہ چپ چپ سی رہنے لگی تھی۔ گھر کے بھی افراد اس کی اس خاموشی کو سنان احمد کی بے وفائی سے تعبیر کرتے تھے جب کہ صرف وہ جانتی تھی کہ وجہ سنان احمد نہیں کوئی اور تھا۔ ماموں کے گھر میں کل ملا کر چار افراد تھے۔ ممانی، ماموں اور ان کے بچے صبا اور سمیر۔ سمیر اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جاب کر رہا تھا جب کہ صبا کمپیوٹر سائنسز میں ماسٹرز کر رہی تھی۔ اگرچہ امثال اور اس کی عمروں میں تین برس کا فرق تھا مگر دونوں کی خوب بنتی تھی۔ صبا ان دنوں اپنے ایگزامز کی تیاری کے سلسلے میں اپنی فرینڈز کے ساتھ کالج ہاسٹل میں ٹھہری ہوئی تھی۔ ممانی خالصتاً ہاؤس وائف تھیں۔

''ثومی کیا بات ہے بیٹا۔ اس طرح اداس اداس سی کیوں بیٹھی ہو۔ کیا پاپا کی یاد آ رہی ہے۔'' ممانی نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔ اب انہیں کیا پتاتی کہ اسے پاپا نہیں ایک انجان غیر شخص کی یاد ستا رہی تھی۔

''صبا بھی گھر پر نہیں ہے۔ تم اس طرح سارا سارا دن گھر پر بیٹھے بیٹھے بور ہو جاتی ہو گی۔''

''نہیں ممانی۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''آج ویک اینڈ ہے۔ صبا گھر آئے گی۔ تم اس کے ساتھ کہیں گھوم پھر آنا۔'' ممانی کے کہنے پر اس نے سعادت مندی سے سر ہلا دیا تھا۔ شام میں صبا آ گئی تو گھر میں ہلچل سی مچ گئی۔ وہ تھی ہی ایسی شوخ اور چنچل لمحوں میں ماحول کو زعفران زار بنا دینے والی۔ اس کی کمپنی میں کوئی بور ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

''اے کزن! خیریت اس بار تم کچھ کھوئی کھوئی سی لگ رہی ہو۔'' صبا نے اس کی کیفیت فوراً نوٹ کر لی تھی۔ ''مجھے...... مجھے پیار ہو گیا ہے صبا۔'' وہ اس سے کوئی بات نہیں چھپا پاتی تھی۔

''رئیلی۔'' صبا کافی دیر ہنستی رہی تھی۔ ''تھینک گاڈ تمہیں بھی کوئی پسند آیا۔ سنی کے بعد تو......''

''یہ بیچ میں اس کا ذکر کہاں سے آ گیا؟'' امثال نے برا سا منہ بنایا۔ ''تم لوگ سنی کو لے کر اتنے جذباتی کیوں ہونے لگتے ہو۔ میری اس کے ساتھ کوئی جذباتی وابستگی نہیں تھی۔ صرف منگنی ہی تو ہوئی تھی ناں میں نے جب لڑکپن کی حدود میں قدم رکھا تو معلوم ہوا میں پاپا کی کزن کے بیٹے سے منسوب ہوں۔ جب سن شعور میں قدم رکھا تو معلوم ہوا سنان احمد عرف سنی اپنی کسی کلاس فیلو کے ساتھ خفیہ شادی رچا چکے ہیں۔ میرے نزدیک یہ کوئی بڑی بات نہ تھی۔ میرے دل میں اس کے لیے کبھی کوئی احساس کسی قسم کا لطیف جذبہ پیدا ہی نہ ہو سکا اور جب منگنی ٹوٹی تب بھی میرے دل میں کسی قسم کا احساس زیاں یا افسوس کا جذبہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ پتا نہیں لوگ......''

''بس...... بس کزن میں سب جانتی ہوں۔ اس وقت تو تم مجھے ان موصوف کے بارے میں بتاؤ جن کے لیے دل میں لطیف جذبات نے جنم لیا ہے۔''

''کیا بتاؤں میں تو کچھ بھی نہیں جانتی۔'' اس نے سادگی سے کندھے اچکائے۔

''نام کیا ہے اس کا؟''

''پتا نہیں۔''

''رہتا کہاں ہے؟''

''پتا نہیں۔''

''کرتا کیا ہے؟''

''پتا نہیں۔'' صبا ہونقوں کی طرح منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔

''یہ موصوف آخر ہیں کون۔ کیا آسمان سے ٹپکے تھے

اور سیدھا تمہارے دل میں آ کر اٹک گئے۔
”شاید۔“ وہ زیر لب مسکرائی۔
”سنو پھر وہ یقیناً کوئی بھوت دوت ہوگا۔“ صبا نے بڑے رازدارانہ انداز میں بتایا۔
”بھوت اتنے ہینڈسم تو نہیں ہوتے۔“ امثال نے دلچسپی سے کہتے ہوئے دونوں بازو اپنے گھٹنوں کے گرد لپیٹے۔

digest library.com

”بھئی بھوت کسی بھی شکل میں وارد ہوسکتے ہیں۔“
”مگر وہ جیتا جاگتا انسان تھا۔“
”تم اس سے کہاں ملی تھیں؟“
”میں اس سے نہیں ملی۔“
”مطلب؟“
”میں نے اسے دیکھا ہے۔“
”کہاں؟“
”یہیں گھر کے سامنے والے پارک میں ایکسرسائز کرتے ہوئے۔“
”ماشاء اللہ۔ امثال فیروز جی چاہتا ہے تمہاری سادگی پر قربان ہو جاؤں۔ اتا نہ پتا اور جھٹ سے عشق کر ڈالا۔“
”میں نے جان بوجھ کر تھوڑی...... پتا نہیں کیسے وہ مجھے اچھا لگنے لگ گیا۔“ امثال کے لہجے کی معصومیت پر صبا کو بے ساختہ پیار آیا۔
”دیکھو تم پیار ضرور کرنا مگر کسی ایسے شخص سے جسے تم جانتی ہو جو تمہیں جانتا ہو۔ یوں کسی انجان شخص سے جب کہ تم اس سے ملی بھی نہیں پیار کرنا کچھ ٹھیک نہیں ہے۔“
”شاید۔“ اس نے کندھے اچکائے۔
”کیا وہ روز آتا ہے؟“
”نہیں گزشتہ ایک ہفتے سے وہ نہیں آ رہا۔“
”اور تم اس لیے اتنی اداس ہو۔“ صبا شوخی سے مسکرائی تو وہ بھی مسکرا دی۔ دوسری بار وہ اسے ایک کافی شاپ میں نظر آیا تھا۔ وہ صبا کے ساتھ شاپنگ کرنے آئی تھی کیونکہ دو روز بعد اس کی فلائٹ تھی اور اسے پاکستان واپس چلے جانا تھا۔ شاپنگ کرنے کے بعد وہ کافی پینے کی غرض سے کافی شاپ میں داخل ہوئے تو امثال کی نظر اس پر پڑی تھی۔ وہ تنہا نہیں تھا۔ ایک اور لڑکا بھی اس کے ساتھ موجود تھا۔ چند لمحے تو وہ گنگ سی کھڑی رہ گئی تھی۔ یکدم اسے صبا کا خیال آیا۔ صبا ٹیبل سلیکٹ کر کے بیٹھ چکی تھی۔
”صبا وہ مل گیا ہے۔“
”کون مل گیا ہے؟“
”[illegible]“
”اچھا کہاں ہے؟“ صبا نے اشتیاق ظاہر کیا۔
”وہ دیکھو۔“ وہ مڑی مگر اب وہاں کوئی نہیں تھا۔
”ارے ابھی تو یہیں تھا کہاں گیا۔“ وہ بڑبڑائی۔
”تم بھی نا امثال...... دن میں بھی سپنے دیکھنے لگتی ہو۔“ صبا اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے کافی کا آرڈر کرنے لگی۔ امثال مایوس سی ہوگئی تھی۔
”امثال! تجھے لگتا ہے وہ محض تمہارا وہم ہے۔“
”نہیں وہ وہم نہیں جیتا جاگتا انسان ہے۔“
”پھر وہ صرف تمہیں ہی کیوں نظر آتا ہے۔“
”پتا نہیں۔“ اس نے غائب دماغی کے عالم میں کہا۔
”تو پھر پتا کرواؤ۔ اتنی لاعلمی اچھی نہیں ہوتی۔“ صبا نے کافی کا مگ اس کے سامنے رکھا۔ ”وہ بھی خاص کر عشق کے معاملے میں۔“ امثال نے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا۔ اسے دوبارہ دیکھنے کی حسرت دل میں لیے وہ پاکستان واپس آ گئی تھی۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کے دل میں اس مانوس اجنبی کے لیے محبت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ جتنا اس کو بھلانے کی کوشش کرتی، وہ اتنا اس کے دل و دماغ پر چھانے لگتا۔ کبھی کبھی تو وہ اپنی اس کیفیت پر جھلا کر رونے لگتی۔
”شاید صبا ٹھیک ہی کہتی تھی۔ وہ محض میرا وہم ہے۔“ دل کو سمجھاتی مگر یہ بخت دل کب کا اس کے اختیار سے نکل چکا تھا۔ اپنی یہ کیفیت وہ کسی سے بھی شیئر نہیں کر پاتی تھی۔ اسکول کالج میں اس نے کوئی دوست بنائی نہیں تھی۔ خاندان میں بھی زیادہ ملنا ملانا نہیں تھا۔ ماں چند برس پہلے داغ مفارقت دے گئی تھیں۔ پاپا اپنے بزنس میں مصروف رہتے تھے۔ ایسے میں صرف صبا ہی تھی جس سے کبھی کبھار نیٹ پر یا فون پر بات ہو جاتی تھی۔ پھر صبا

کی بھی شادی ہوگئی۔ دو سال گزر جانے کے باوجود بھی وہ اس شخص کو بھلا نہیں پائی تھی۔ اس عرصے میں وہ اپنا گریجویشن مکمل کر کے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے چکی تھی اور تب پورے تین سال بعد اس نے اسے کراچی میں دیکھا تھا۔ قائداعظم ایئرپورٹ پر وہ صبا اور اس کے شوہر کو ریسیو کرنے آئی تھی۔ شادی کے بعد وہ پہلی بار پاکستان آ رہی تھی۔ وہ صبا کے انتظار میں کھڑی تھی۔ تب سامنے سے وہ آتا دکھائی دیا۔ سیاہ لیدر کی پینٹ اور جیکٹ میں وہ پہلے سے زیادہ دلکش دکھائی دے رہا تھا۔ ان تین سالوں میں امثال نے اسے اتنا سوچا تھا کہ اس کا ایک ایک نقش امثال کے دل پر نقش ہو گیا تھا۔ پھر وہ بھلا اسے کیسے نہ پہچانتی۔ اس بار امثال موقع گنوانا نہیں چاہتی تھی۔ صبا کو بھول بھال کر وہ اس کے پیچھے لپکی۔

''ایکسکیوزمی۔''

''جی۔'' اس کے پکارنے پر وہ پلٹا تھا۔ وہ پکار تو بیٹھی تھی مگر اب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کیا بات کرے۔

''اینی پرابلم مس؟'' امثال کے خاموش رہنے پر وہ بولا تھا۔ اس کی آواز اس کی شکل سے بھی زیادہ خوب صورت تھی۔ اس نے بہت کم مردوں کی اتنی دلکش آواز سنی تھی۔

''آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں؟'' امثال کے کہنے پر وہ ایک لمحے کو رک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ امثال جانے کیوں شرمندہ سی ہو گئی۔ ''دراصل میں وہ......'' وہ خجل سی ہو کر وضاحت کرنے لگی تھی جبھی وہ بول اٹھا۔

''شاہ زر، شاہ زر گردیزی کہتے ہیں مجھے۔''

''آئی ایم امثال فیروز۔'' وہ دھیرے سے مسکرائی۔

''سوواٹ کین آئی ڈو فور یو؟'' لہجہ بیگانگت بھرا تھا۔

''ارے امثال۔ تم یہاں کھڑی ہو اور میں جانے کب سے تم کو تلاش کر رہی ہوں۔'' صبا کی آواز پر وہ پلٹی تھی۔ طلحہ بھی ساتھ ہی تھا۔ وہ ان سے مل رہی تھی اور اتنے عرصے میں شاہ زر وہاں سے جا چکا تھا۔ امثال کو افسوس ہوا وہ ایک اور قیمتی موقع گنوا چکی تھی۔

''مجھے حیرت ہے تم ابھی تک اس کے سپنے دیکھتی ہو۔'' رات میں وہ اور صبا اسی کے متعلق گفتگو کر رہی تھیں۔

''میں اس خواب کو حقیقت میں بدلنا چاہتی ہوں۔''

''ویسے نام تو خاصا رعب دار سا ہے موصوف کا۔'' صبا نے تبصرہ کیا۔

''صبا! مجھے لگتا ہے قدرت بھی وہی چاہتی ہے جو میں چاہتی ہوں۔ اس طرح تین برس بعد اس کا دوبارہ ملنا۔'' امثال نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ تمہارا ڈریم مین تھا۔ میں کم از کم اسے ٹھیک سے دیکھ تو لیتی۔''

''چلو اگلی بار ٹھیک سے دیکھ لینا۔'' امثال مسکرائی تو صبا بھی مسکرا دی۔ صبا پورے ایک ماہ تک پاکستان میں رہی۔ صبا کے جانے کے بعد وہ اکثر گاڑی لے کر سڑکیں ناپا کرتی تھی۔ اس کی متلاشی نگاہیں ہر سمت اس دشمن جاں کو ہی تلاش کرتی رہتی تھیں۔ مگر وہ دوبارہ نظر نہ آیا۔ کراچی جیسے بڑے شہر میں وہ اسے کیسے تلاش کرتی۔ اس کی یہ محبت رفتہ رفتہ اس کا جنون بنتی جا رہی تھی۔ اس کی جستجو میں مزید تیزی آ گئی تھی۔ وہ اب اس نہج پر پہنچ چکی تھی کہ واپسی کا کوئی راستہ اس نے کھلا نہیں چھوڑا تھا۔ شاید وہ خود بھی پلٹنا نہیں چاہتی تھی۔ ایک برس اور اپنے اختتام کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ مایوس تو نہیں البتہ خاموش ضرور ہو گئی تھی اور پھر انہی دنوں وہ پاپا کے اصرار پر ان کے ہمراہ ان کے دوست حیدر رضا کے بیٹے کے ولیمے میں شرکت کی غرض سے لاہور گئی تھی۔ پاپا کو لاہور میں کچھ کام تھا اور وہ مزید ایک ہفتہ وہاں رہنا چاہتے تھے۔ وہ اپنے ایگزامز کا بہانہ بنا کر دوسرے ہی دن فلائٹ لے کراچی آ گئی تھی اور یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ شاہ زر گردیزی بھی اسی فلائٹ میں تھا اور سیٹ بھی اس کے ساتھ ہی تھی۔

''ہیلو۔'' امثال کی آواز پر وہ چونکا تھا۔ شاید وہ کسی خیال کے زیراثر تھا۔

''مجھے پہچانا آپ نے؟''

''جی نہیں۔''

''جب کہ میں آپ کو پچھلے چار سال سے جانتی

ہوں۔" امثال کے کہنے پر وہ کچھ الجھن آمیز نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"میں نے آپ کو نیویارک میں دیکھا تھا۔ آپ ایکسرسائز کرنے کی غرض سے روزانہ صبح سات بجے پارک میں آیا کرتے تھے۔" وہ وضاحت دے رہی تھی۔

"لیکن مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں آپ سے کبھی ملا ہوں۔"

digest library.com

"میں...... میں آپ کو کیسے بتاؤں کہ میں......" وہ وفور جذبات میں کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ شاہ زر کو یہ لڑکی کچھ عجیب سی لگی تھی۔ ویسے بھی وہ ذہنی طور پر ڈسٹرب تھا۔ اس لیے اس کی اگلی بات کا انتظار کیے بنا سامنے رکھا میگزین اٹھا کر دیکھنے لگا تھا۔ امثال اس کے رویے سے تھوڑی مایوس ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ کراچی پہنچ گئے۔

وہ اپنے ڈرائیور کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ جبھی اس کی نظر شاہ زر پر پڑی۔ وہ کسی شخص سے ہاتھ ملا رہا تھا اور وہ شخص امثال کے لیے اجنبی نہیں تھا۔

"السلام علیکم عاقب بھائی۔" دونوں نے بیک وقت امثال کی طرف دیکھا تھا۔

"ارے امثال تم یہاں کیسے؟"

"پاپا کے ساتھ لاہور گئی تھی۔ وہ وہاں کسی کام سے رک گئے اور میں چلی آئی۔ میرے ایگزامز ہونے والے ہیں ناں۔"

"ماموں کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں۔ آپ سنائیں۔ بھابی اور پھوپو ٹھیک ہیں۔"

"سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ تم کبھی چکر لگاؤ ناں۔" وہ دونوں گفتگو میں مگن تھے۔ شاہ زر قدرے سائیڈ پر ہو گیا۔ امثال کی نگاہیں شاہ زر پر ہی تھیں۔

"اوہ سوری۔" کچھ یاد آنے پر عاقب پلٹا۔ "امثال ان سے ملو یہ ہماری کمپنی میں ہی ہوتے ہیں۔ آئی مین میرے کولیگ ہیں۔ شاہ زر گردیزی اور شاہ زر یہ مائی کزن امثال فیروز۔" عاقب نے تعارف کی رسم نبھائی۔

"ہیلو۔" امثال نے مسکراہٹ پاس کی۔ شاہ زر نے رسمی طور پر سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا۔ وہ کچھ بجھ سی گئی۔

"او کے میں چلتی ہوں۔"

"گھر ضرور آنا۔ امی تمہیں یاد کرتی رہتی ہیں۔"

"اب تو آنا ہی پڑے گا۔" کنکھیوں سے شاہ زر کو دیکھتے ہوئے وہ ایک ادا سے مسکرائی تھی۔

"تو بالآخر میں تم تک پہنچ ہی گئی۔" رات کو سونے سے پہلے وہ سوچ کر مسکرائی تھی اور پھر اگلے دو دن میں اس نے عاقب سے شاہ زر کے متعلق سب معلومات حاصل کر لی تھیں۔

"اس کی فیملی لاہور میں رہتی ہے۔ صرف ایک ماں اور بہن ہے۔ نانا اور ماموؤں کی فیملی بھی ساتھ رہتی ہے۔ فارن کوالیفائیڈ ہے اور ڈیفنس میں چھوٹے سے بنگلے میں تنہا رہتا ہے۔" اس کے لیے اتنا جاننا ہی بہت تھا۔ عاقب سے اس کے گھر کا پتا اور فون نمبر پوچھنا نہیں بھولی تھی۔ عاقب نے اگرچہ اس سے کچھ نہیں پوچھا تھا مگر وہ جان گیا تھا کہ امثال ایسا کیوں کر رہی تھی۔ شاہ زر اسے بھی اچھا لگتا تھا اور وہ دل سے امثال کی خوشیوں کا خواہاں تھا۔ خاص طور پر اپنی ماں کی وفات کے بعد تو وہ اسے اور بھی عزیز ہوگئی تھی۔

"آپ یہاں۔" ملازم نے بتایا تھا کہ اس سے ملنے کوئی لڑکی آئی ہے اور وہ امثال فیروز کو اس طرح اپنے گھر میں دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

"کیا میرا آنا آپ کو برا لگا ہے؟" جواب میں وہ خاموش رہا۔ اسے یہ لڑکی کچھ سر پھری معلوم ہو رہی تھی۔

"آپ کو کوئی کام تھا کیا؟" خود پر قابو پاتا وہ دریافت کر رہا تھا۔

"جی ہاں۔"

"فرمائیے۔"

"میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔"

"کیوں؟"

"دوستی کیوں اور کب نہیں دیکھتی۔"

"جی نہیں میں آپ سے متفق نہیں۔ ہر کام کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقصد کارفرما ہوتا ہے۔"

"چلیں مان لیا آپ درست کہہ رہے ہیں مگر بتانا

ضروری تو نہیں۔"

"دیکھیں محترمہ۔ مجھے آپ سے دوستی کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" اس کا لہجہ بے حد سرد تھا۔ امثال فیروز کو اس سے اتنی بے مروتی کی امید نہیں تھی۔

"آپ اتنے سنگدل لگتے تو نہیں۔" شاہ زر کو اس کی نگاہوں میں ایک تشنگی سی نظر آئی۔

"آپ مجھ سے دوستی کر کے کیا کریں گی۔ میں تو خود بہت ٹوٹا ہوا شخص ہوں' میری دوستی سے بھلا کیا ملے گا آپ کو۔" اس کا لہجہ افسردہ ہو گیا۔

"یہ آپ نہیں سمجھ سکتے۔ اینی وے۔ یہ میرا رابطہ نمبر ہے۔ میں اب چلتی ہوں۔" اپنا کارڈ میز پر رکھتی ہوئی وہ باہر نکل گئی۔ شاہ زر اس لڑکی کو سمجھ نہیں پایا تھا۔ دل پر چھائی پژمردگی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اپنی ہی محبت اپنے ہاتھ سے کسی دوسرے کو سونپ دینا آسان نہیں ہوتا مگر وہ ایسا کر چکا تھا۔ مریم سے رشتہ اگرچہ گھر والوں کی مرضی سے طے ہوا تھا مگر منگنی کے بعد اس نے ہر پل' ہر لمحہ مریم کو سوچا تھا۔ اس کی یادیں مریم کے وجود کی خوشبو سے مشکبو تھیں۔ اس کی سوچوں میں مریم تھی۔ اس کے ذہن کے پردے پر مریم کا عکس تھا اور آج بھی مریم اس کے دل میں بستی تھی۔ یہ اس کی پرخلوص محبت ہی تھی کہ وہ مریم کو دکھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جب اس پر آشکار ہوا کہ مریم اور ولید ایک دوسرے کو چاہتے ہیں تو وہ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی احساس جرم کا شکار ہو گیا تھا۔ چاہتا تو کان بند کر لیتا مگر وہ خود غرض نہیں تھا۔ اپنے دل کا گلا گھونٹ کے اس نے دو دلوں کو ملایا تھا۔ اپنی محبت کو ان دونوں کی محبت پر قربان کر دیا تھا۔ اپنی ماں کے ارمانوں کو ٹھیس پہنچائی تھی مگر جانتا تھا جلد یا بدیر ماں کو منا لے گا۔ بعض اوقات وہ سب کچھ آپ کو نہیں ملتا جس کی آپ کو تمنا ہوتی ہے مگر کچھ نہ کچھ ضرور آپ کے حصے میں آتا ہے اور وہ اسی پر قانع ہو گیا تھا۔

○☆○

شادی کے دو ماہ بعد مریم اور ولید ہنی مون کی غرض سے شمالی علاقہ جات کی سیر کو گئے تھے۔ اس دوران وہ اتنی حسین ہو گئی تھی کہ اس پر نظر نہ ٹکتی تھی۔ اس نے زندگی کے ایک ایک پل سے خوشیاں کشید کی تھیں اور یہ سب ولید کی بدولت تھا۔ ان دونوں کے واپس آنے کے بعد حماد لندن فلائی کر گیا تھا۔ انہی دنوں ولید کو بزنس کے سلسلے میں دبئی جانا پڑا تھا۔ ایک ماہ کا ٹور تھا۔ مریم نے سنا تو اداس ہو گئی۔

"یہ ابھی سے تو موڈ خراب نہ کرو۔ ابھی میرے جانے میں پورے دس دن پڑے ہیں۔"

"ولید! جانا ضروری ہے کیا؟"

"بے حد ضروری' دبئی کی ایک کمپنی سے ہماری بڑی اچھی ڈیلنگ چل رہی ہے۔ اسی سلسلے میں مجھے وہاں جانا ہے۔ دبئی میں اپنے آفس کے لیے جگہ بھی دیکھنی ہے۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ ہمارا بزنس وسیع ہو رہا ہے۔"

"ہم ایسے ہی ٹھیک ہیں۔ کیا ضرورت ہے اتنا بکھیڑا پالنے کی۔" وہ نروٹھے پن سے گویا ہوئی تو ولید مسکرا دیا۔

"دیکھو مسز ہمیں زمانے کے ساتھ چلنا پڑتا ہے۔ وقت اتنی تیزی سے دوڑ رہا ہے کہ جو ذرہ بھر کو رکا وہ دوڑ میں پیچھے رہ گیا۔ کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے۔" پیار سے اس کی کمر کے گرد بازو حائل کیا۔

"کیا فائدہ ایسی ترقی کا جس میں ہجر لکھا ہو۔" وہ ہنوز ناراض تھی۔

"بھئی چند دنوں کی تو بات ہے۔ تم تو یوں کہہ رہی ہو جیسے دائمی جدائی......"

"اللہ نہ کرے۔" اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ تڑپ کر بولی تھی۔ "منہ سے سوچ سمجھ کر بات نکالا کریں۔" وہ اس پر نظریں جمائے زیر لب مسکرایا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"دیکھ رہا ہوں محض عارضی جدائی پر تمہارا یہ حال ہے کہیں ملک عدم جانا پڑ گیا تو......"

"ولید۔" وہ دہل کر چلائی تھی۔ "کیوں کر رہے ہیں اس طرح کی باتیں۔ میرے دل کو تکلیف پہنچا کر کون سی راحت حاصل کرتے ہیں آپ۔" وہ باقاعدہ ہچکیوں سے رو دی تو ولید پریشان ہو گیا۔

"سوری ریٹی سوری' میری جان میں تو مذاق کر رہا تھا۔"

"کسی کی جان گئی اور آپ کی ادا ٹھہری۔ مجھے ایسا بھونڈا انداق پسند نہیں ہے۔"

"ارے بابا معاف کر دو۔ اب تو موت بھی سامنے آئی تو ہاتھ جوڑ کر اسے واپس بھیج دوں گا۔" اسے سینے سے لگائے چپ کروانے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ تھی کہ روئے جا رہی تھی۔ "دیکھو چپ ہو جاؤ ورنہ مجھے اور بھی بہت سے طریقے آتے ہیں چپ کرانے کے۔" اس کے لہجے میں چھپی شرارت مریم کو بے اختیار خود میں سمٹنے پر مجبور کر گئی۔

digest library.com

شاہ زر کی طرف سے کوئی رسپونس نہ ملنے کے باوجود بھی امثال پیچھے نہیں ہٹی تھی۔ دو تین بار اس کے آفس بھی گئی اور گھر پر بھی ملنے آئی۔ وہ برملا اپنی محبت کا اظہار کر چکی تھی مگر شاہ زر نے ایک لفظ بھی اس کی حوصلہ افزائی میں نہیں کہا تھا۔ وہ کیا کرتا' اس کا دل کسی کو بھی مریم کی جگہ دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ آفس کی طرف سے اسے نیا گھر ملا تو وہ فوراً وہاں شفٹ ہو گیا۔ کچھ عرصے کے لیے امثال فیروز کی آمد ورفت ختم ہو گئی۔ شاہ زر کے لیے یہ صورت حال اطمینان بخش تھی مگر اس روز پی سی میں وہ پھر اس سے ٹکرا گیا تھا۔ اسے کبھی کبھی امثال سے چڑ ہونے لگتی تھی جو خواہ مخواہ گلے پڑ گئی تھی۔ اس نے کبھی بھی آئیڈیل بنانے کی کوشش نہیں کی تھی مگر مریم کو دیکھ کر احساس ہوا تھا کہ لڑکیوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اپنے منہ سے محبت کا اظہار کرتی ہوئی لڑکی کبھی بھی مرد کو اپیل نہیں کرتی۔ اظہار تو مرد کو زیب دیتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اتنے برس مغرب میں رہنے کے باوجود کسی سے متاثر نہ ہو سکا۔ اس کے دل میں سوائے مریم کے اور کسی کی گنجائش نہ تھی اور یہ لڑکی امثال فیروز زبردستی اس کے دل میں گھسنا چاہتی تھی۔

اس دن کے بعد سے امثال نے شاہ زر سے ملنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بہت بددل ہو کر وہ اپنی پڑھائی میں مصروف ہو گئی تھی۔ فیروز ہاشم اب اس کی شادی کر دینا چاہتے تھے مگر وہ تھی کہ مان کے ہی نہ دیتی تھی۔ وہ شاہ زر کے علاوہ کسی اور کے بارے میں اس طرح سوچ بھی نہ سکتی تھی۔ "کتنی خوش قسمت ہے وہ لڑکی جسے شاہ زر گردیزی چاہتا ہے۔" اکثر وہ سوچتی۔ اسے اس ان دیکھی لڑکی سے رشک و حسد محسوس ہوتا تھا ایگزامز سے فارغ ہوئی تو پاپا کی کسی کزن کی بیٹی کی شادی میں اسلام آباد جانا پڑ گیا۔ یوں بھی وہ فارغ تھی اس لیے آمادہ ہو گئی۔ واپسی پر وہ لاہور رک گئے۔ اس رات وہ حیدر رضا کے گھر پر ٹھہرے تھے۔ مریم سے تو وہ اس کے ولیمے پر بھی مل چکی تھی مگر اب ذرا تفصیلاً بات چیت ہو رہی تھی۔ اسے مریم بے حد پسند آئی تھی۔ ولید کی معنی خیز باتوں پر بلش ہوتی یہ لڑکی امثال فیروز کو اچھی لگی تھی۔ سائرہ' مائرہ سے بھی ملاقات خوب رہی۔ وہ خود بھی فطرتاً گھل مل جانے والی تھی۔ سائرہ' مائرہ اور مریم نے فیروز ہاشم سے اسے چند روز اپنے ہاں ٹھہرانے کی فرمائش کر ڈالی جو انہوں نے خوش دلی سے قبول کر لی۔

"کیا ہوا بور ہو رہی ہو؟" مریم دو کپ چائے کے لیے اس کے پاس چلی آئی۔

"مائرہ سو رہی تھی جب کہ سائرہ اپنی فرینڈ کی منگنی میں گئی ہوئی تھی۔

"یہ بوریت تو میری زندگی کا حصہ بن چکی ہے۔" چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے وہ گویا ہوئی۔

"امثال! تم دو دن سے یہاں ہو۔ میں دیکھ رہی ہوں تم بہت اداس اور کھوئی کھوئی سی رہتی ہو۔"

"نہیں تو۔" اس نے جیسے خود کو بہلایا تھا۔

"چھپانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ سب کچھ تمہاری آنکھوں میں لکھا ہے۔"

"اچھا ذرا پڑھ کے تو بتاؤ۔ میں بھی تو سنوں۔" اس نے لہجہ ہلکا پھلکا بنانے کی کوشش کی۔

"کیا بہت محبت کرتی ہو اس سے؟" مریم کے اتنے درست اندازے پر وہ ایک لمحے کو چپ سی رہ گئی۔

"ہاں۔" اس نے گویا ہار کر کہا تھا۔ لہجے میں زمانے بھر کی تھکن تھی۔

"محبتیں تو انسان کو خوش رہنے کا ڈھنگ سکھاتی ہیں۔ بے رنگ زندگی میں خوشیوں کے رنگ بھر دیتی ہیں۔ پھر یہ اداسی چہ معنی۔"

"بعض اوقات محبتیں درد بھی تو عطا کرتی ہیں۔

نارسائی کا کرب کیا ہوتا ہے۔ یہ تم نہیں جان پاؤ گی۔"
"میں جانتی ہوں امثال۔ اس دور سے میں بھی گزر چکی ہوں۔"
"کیا مطلب کیا ولید بھائی......"
"امثال! میرا شمار ان خوش قسمت لوگوں میں ہوتا ہے جنہیں ہر طرف سے محبتیں ملتی ہیں۔ شاید یہ ولید اور میری سچی لگن تھی کہ ہم ایک ہو گئے۔ تم اللہ پر بھروسہ رکھو۔ وہ بھی اپنے بندے کو مایوس نہیں کرتا۔ تم ایک بار اس سے مانگ کر تو دیکھو۔ جب وہ نوازنے پر آتا ہے تو دامن چھوٹا پڑ جاتا ہے۔ کامل یقین اور بھروسہ ہی انسان کو کامیابی کی طرف لے جاتے ہیں۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم کسی چیز کے نہ ملنے کا اللہ سے شکوہ تو کرتے رہتے ہیں مگر خلوص دل سے وہ چیز اس سے مانگتے نہیں۔ اپنے رب سے مانگنے میں بھلا کیسی شرم۔"
"وہ سب ٹھیک ہے مریم مگر میں ایسے شخص کو بھلا کیسے مانگوں جو پہلے سے ہی کسی اور کا ہے۔"
"کیا مطلب؟"
"وہ کہتا ہے اسے مجھ سے محبت نہیں۔ وہ کسی اور سے محبت کرتا ہے۔ وہ اس لڑکی کے سوا کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔" آج پہلی بار امثال کو اپنے دل کا حال کسی سے شیئر کرنے کا موقع ملا تھا۔
"تم اللہ کی مصلحت پر یقین رکھو۔ وہ ہمیشہ وہی کرتا ہے جو ہمارے حق میں بہتر ہوتا ہے۔" مریم کی تسلی پر وہ دھیرے سے سر ہلا کر رہ گئی۔ اگلی صبح اس کی کراچی کی فلائٹ تھی۔ حیدر رضا کے گھر پر ہی وہ مریم کی پھوپو عائشہ سے ملی تھی۔ انہیں دیکھ کر اسے بے پناہ اپنائیت کا احساس ہوا تھا۔ وہ بڑے ادب و خلوص سے انہیں ملی تھی۔ ان کے چہرے میں اسے شاہ زر گردیزی کا عکس نظر آیا تھا۔ جسے اس نے اپنا وہم سمجھ کر جھٹلا دیا تھا۔
دو دن بعد ولید کی دبئی کی فلائٹ تھی۔ ولید کی فرمائش پر گھر پر ہی باربی کیو کا اہتمام کیا گیا تھا سبھی موجود تھے عائشہ پھوپو اور ندا کو بطور خاص وہ خود لے کر آیا تھا۔ ندا نے بھی حالات سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ حیدر رضا کے گھر کے بڑے سے لان میں سب جمع تھے۔ ایک طرف تکے اور کباب کوئلوں پر بھن رہے تھے جس سے ایک خوشگوار سی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ اسی لمحے ولید کے ہمراہ جو شخص اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر سبھی چونک گئے۔ علی رضا اور ثانیہ کے چہرے پر یکلخت سنجیدگی چھا گئی تھی۔ عائشہ پھوپو کی نگاہوں میں بے یقینی، غصہ، ممتا کی تڑپ سبھی کچھ تھا۔
"آؤ یار رک کیوں گئے؟" ولید اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا۔
"آؤ شاہ زر ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔" حسن رضا کے کہنے پر سب چونک کر انہیں دیکھنے لگے۔
"السلام علیکم امی!" وہ ماں کے آگے جھکا۔
"کس منہ سے مجھے ماں کہہ رہے ہو تم۔"
"عائشہ! تمہاری ناراضگی بجا ہے مگر جب حقیقت جانو گی تو ہماری طرح تمہیں بھی اپنے بیٹے پر فخر محسوس ہو گا۔ ولید نے ہمیں پہلے ہی سب کچھ بتا دیا تھا۔" حسن رضا نے بڑھ کر اسے سینے سے لگایا۔ "بعض اوقات بڑوں کے کیے گئے غلط فیصلوں کی درستی کے لیے ایسے قدم اٹھانے پڑتے ہیں۔"
"یہ سب کیا ہے بابا۔ کچھ ہمیں بھی تو بتائیں۔" حیدر رضا نے خاموشی کو توڑا اور پھر حقیقت جان کر سب متاثر ہو گئے۔ کچھ دیر پہلے جو شاہ زر ان کی نظروں میں مجرم تھا اب ہیرو لگ رہا تھا۔ عائشہ بیٹے کو سینے سے لگائے آنسو بہا رہی تھیں۔ ندا کا رویہ گرمجوشی سے عاری تھا۔ جسے شاہ زر نے بری طرح محسوس کیا تھا۔ مریم پر نگاہ پڑی تو دل ڈگمگا سا گیا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ حسین ہو گئی تھی۔ وہ بے اختیار نظریں چرا گیا۔ بڑی مشکل سے دل کو سنبھالا تھا۔ آج اتنے عرصے بعد اپنے خاندان والوں کے ساتھ بیٹھنا اسے بے حد اچھا لگ رہا تھا۔
"ندا! کیا ابھی تک خفا ہو اپنے بھائی سے۔" وہ ایک طرف خاموش بیٹھی ندا کے پاس چلا آیا۔ ندا نے ڈبڈبائی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "میں جانتا ہوں محبتوں کے نہ ملنے کا دکھ کیسا ہوتا ہے۔" اس کے لہجے میں آزردگی سمٹ آئی۔ "مگر تم یہ بھی تو سوچو کہ ایک ساتھ چار زندگیاں برباد ہونے سے دو زندگیوں کی خوشیاں زیادہ

گھاٹے کا سودا تو نہیں۔ میں جانتا ہوں تم ولید سے محبت کرتی تھیں۔ تم نہیں جانتیں یک طرفہ محبتیں کتنا درد دیتی ہیں۔ شاید اسی میں خدا کی کوئی مصلحت تھی۔ کچھ ہی عرصے بعد تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ تمہارا بھائی غلط نہیں تھا۔" وہ اٹھنے لگا تو نِدا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ شاہ زر نے دیکھا اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور لبوں پر دھیمی سی مسکان۔

"تھینک یو ندا۔" جواباً وہ مسکرایا تھا۔ کھانا تیار ہو چکا تھا۔ سب گرم گرم تکے اور کباب سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اسی لمحے لائٹ چلی گئی۔ ایک ہلچل سی مچ گئی۔ مریم جو ولید کے لیے سیخ کباب اور تکے پلیٹ میں ڈال کر لا رہی تھی اندازے سے اس تک پہنچی۔

"یہ لیجیے جناب گرما گرم کباب اور تکے۔" اس کے قریب ہی نیچے گھاس پر بیٹھ گئی۔ "بہت شوق ہے ناں آپ کو ملک سے باہر جانے کا۔ وہاں جا کر اپنے ملک کے کھانوں کو ترسا کریں گے۔ اب مجھے معلوم پڑا کہ بہ ظاہر اتنا پیار کرنے والا اندر سے کتنا ظالم ہے۔" لہجہ گلوگیر ہو گیا۔ اس نے ولید کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھا۔

"ولید! آپ بولتے کیوں نہیں۔" تب ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے شاہ زر نے اپنے ہاتھوں پر سے اس کے ہاتھ ہٹائے۔

digest-library.com

"میں ولید نہیں شاہ زر ہوں۔" مریم کو جھٹکا لگا۔ تو اتنی دیر سے میں ولید سمجھ کر شاہ زر سے بات کر رہی تھی۔

"سوری شاہ زر میں سمجھی کہ......"

"اٹس او کے۔ کبھی کبھار ہم سمجھنے میں بڑی غلطی کر جاتے ہیں۔ جو ہوتا نہیں اسی کو حقیقت سمجھ بیٹھتے ہیں۔" مریم اٹھ کر چلی گئی۔ اندھیرے میں ماحول زیادہ واضح نہیں تھا۔ شاہ زر نے اپنے ہاتھوں پر اس کے مرمریں ہاتھوں کا لمس محسوس کیا۔ اپنے ہاتھوں کو چہرے کے قریب لا کر اس کی خوشبو کو محسوس کرنے کی کوشش کی۔ محض چند لمحوں کی قربت اس کے اندر حشر برپا کر گئی تھی۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ زندگی کے کسی موڑ پر وہ اس قدر بے بس ہوگا۔ بڑی آہستگی سے اس نے بائیں آنکھ سے کونے سے پھسل آنے والے آنسو کو صاف کیا تھا۔

○☆○

بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ خلاؤں میں کھو رہی تھی۔ رائٹنگ ٹیبل پر کتابیں جوں کی توں پڑی تھیں۔ جیسی رات کو اس نے چھوڑی تھیں۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھا دودھ کا گلاس بھی اسی طرح ڈھکا ہوا تھا۔ جیسا رات کو ملازمہ رکھ کر گئی تھی۔ رات تقریباً ڈھل چکی تھی۔ گھڑی چار بجنے کا اعلان کر رہی تھی۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا۔ جانے کیسا روگ لگا تھا اسے کہ دن کا چین اور راتوں کی نیند اڑ گئی تھی۔ فائنل سمسٹر قریب تھے مگر اس کا پڑھائی میں جی ہی نہیں لگتا تھا۔ ہر جگہ شاہ زر گردیزی کا چہرہ نظر آتا۔ الفاظ اس کا روپ بدل کر آنکھوں کے سامنے ناچنے لگتے۔ بے بسی کی انتہا پر پہنچ کر وہ رونے لگتی اس نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا کہ اسے کسی سے ایسا دھواں دھار عشق ہو جائے گا۔

وہ اب ایسے موڑ پر کھڑی تھی جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہ تھا۔ پیچھے مڑ کر دیکھتی تو ہر راستہ بند نظر آتا اور اپنے سامنے کا راستہ پر خار دکھائی دیتا۔ راہ میں پتھر ہی پتھر تھے جنہیں ہٹانا اس کے لیے ممکن نہ تھا۔ کیسی قسمت تھی اس کی کہ جس کے ساتھ برسوں منسوب رہی اس کے لیے کبھی دل میں ذرا سا احساس بھی نہ جاگا تھا اور یہ شخص جسے وہ دل کے سب سے اونچے سنگھاسن پر بٹھائے بیٹھی تھی۔ اس پر ایک نظر الفت ڈالنے کا روادار نہ تھا۔

"اللہ اکبر اللہ اکبر۔"

موذن کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔

"اشہد ان لا الہ الا اللہ۔"

فجر کی اذان ہو رہی تھی۔

"ہمارا المیہ ہے کہ ہم اللہ سے کسی کے نہ ملنے کا شکوہ تو کرتے رہتے ہیں مگر کبھی سچے دل سے اس سے مانگنے کی کوشش نہیں کرتے۔

بھلا اپنے رب سے مانگنے میں کیسی شرم۔

بازگشت سنائی دی۔

"تم ایک بار اپنے رب سے مانگ کر تو دیکھو۔ جب وہ نوازنے پر آتا ہے تو دامن تنگ پڑ جاتا ہے۔" مریم کے

الفاظ اس کے ذہن پر چھائے غبار کو دھونے لگے تھے۔ وہ آنسو پونچھ کر وضو کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ زندگی میں پہلی بار شاید وہ اس قدر اہتمام سے خلوص قلب کے ساتھ نماز ادا کر رہی تھی۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ کتنی ہی دیر سجدے میں گری گڑگڑاتی رہی۔ وہ اپنے لیے شاہ زر کر دیزی کو نہیں بلکہ بخشش طلب کر رہی تھی۔ وہ رب سے فریاد کر رہی تھی کہ پاک پروردگار اس سے راضی ہو جائے۔ جب سجدے سے سر اٹھایا تو یوں محسوس ہوا جیسے دل پر دھرا بھاری بوجھ سرک گیا ہو۔ وہ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا اور پرسکون محسوس کر رہی تھی۔

''کتنی بدنصیب تھی میں کہ اتنا عرصہ اللہ سے دور رہ کر عارضی سہاروں کو تلاش کرتی رہی۔ وہ اب ایک جذب کے عالم میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھی۔ جوں جوں پڑھتی جاتی اسے اپنے اندر ایک نئی توانائی اور ایک الوہی سی روشنی چمکتی نظر آتی۔

○☆○

''اگر تم نہ ہوتے تو......''

''میں نہ ہوتا کوئی اور ہوتا۔ ایسا تو تقدیر میں لکھا تھا۔ تم دونوں بار بار میرا شکریہ ادا کر کے مجھے شرمندہ کر رہے ہو۔'' شاہ زر نے سرعت سے ولید کی بات کاٹی۔

''اب اس ٹاپک پر مزید کوئی بات نہیں ہوگی نہیں تو میں اٹھ کر چلا جاؤں گا۔'' ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہی اس نے یہ تکلیف دہ موضوع ختم کیا۔

''مریم! آج تو مزیدار سی کولڈ کافی پینے کا جی چاہتا ہے۔'' ولید نے مریم کو مسکراتی نظروں سے دیکھا۔ جواباً وہ خفا خفا سا چہرہ لیے اٹھ گئی۔

''محترمہ ناراض ہیں مجھ سے اس لیے موسم خراب نظر آ رہا ہے۔'' ولید نے اس کے موڈ کی وضاحت کی۔

''کیوں؟''

''میرے جانے کی وجہ سے۔''

''اوہ۔'' شاہ زر کے لبوں پر ایک زخمی سی مسکراہٹ دم توڑ گئی۔ ولید کل شام کی فلائٹ سے جا رہا تھا۔ اس لیے وہ اس کے پاس موجود تھا۔ کافی پینے کے بعد وہ گھر چلا آیا۔

''شاہ زر! کھانا لگواؤں؟'' عائشہ اسی کے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔

''بھوک نہیں ہے۔''

''طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری؟''

''امی! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ یونہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان مت ہو جایا کریں۔ بھوک نہ لگنے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ طبیعت خراب ہے۔'' خاصی وضاحت سے جواب دیتا وہ عائشہ کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

''تم ماں کے دل کو نہیں جانتے۔ اولاد کے معاملے میں یہ کتنا وہمی ہو جاتا ہے۔'' عائشہ نے پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

اتنا عرصہ ماں کے بغیر کیسے رہے؟ کیا تمہیں ہماری یاد نہیں آتی تھی۔'' لہجہ گلوگیر ہو گیا۔

''میں آپ کو بھولا ہی کب تھا امی۔ حالات ہی کچھ ایسے تھے۔ آپ تو جانتی ہیں ناں۔''

''جب تم جان گئے تھے کہ مریم اور ولید ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو مجھ سے کیوں نہ کہا۔''

''اس لیے کہ اس وقت آپ اپنے اکلوتے بیٹے کی خوشیوں میں مگن تھیں۔ اگر میں اس وقت آپ کو بتا دیتا تو شاید آپ بھی ایک روایتی ماں بن کر سوچنے لگتیں اور میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔''

''اور تم نے اپنی محبت کی قربانی......''

''امی! مجھے نیند آ رہی ہے۔ صبح بات کریں گے۔'' عائشہ کی بات قطع کر کے وہ یک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ماں تھیں۔ بیٹے کے حال دل سے واقف تھیں۔ ان کا دل بھر آیا۔

شاہ زر اپنے بیڈ پر نیم دراز سوچوں میں گم تھا۔ محبت کا یہ سفر جس کی راہ کا وہ تنہا مسافر تھا۔ بنا رکے چلتا جا رہا تھا اس ون وے پر چلتے چلتے وہ ٹوٹ چکا تھا مگر کوئی منزل کوئی امید نہ تھی۔

سب ایئرپورٹ جانے کے لیے تیار تھے۔ ولید دیکھ رہا تھا۔ مریم الجھی الجھی سی تھی۔ کوئی کام نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو مصروف ظاہر کر رہی تھی۔ آج صبح سے ہی وہ بجھی بجھی سی دکھائی دے رہی تھی۔

"مریم! مجھے ایئرپورٹ تک چھوڑنے کے لیے نہیں چلوگی؟" موقع ملتے ہی وہ اس کے سر ہو گیا تھا۔

"نہیں۔" دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔

"ادھر دیکھو میری طرف۔" شانوں سے تھام کر رخ اپنی طرف موڑا۔ "کیا ابھی تک خفا ہو؟"

"نہیں.....تو۔" اس کی آواز سے لگ رہا تھا وہ بہ مشکل اپنے آنسوؤں کا گلا گھونٹ رہی تھی۔

"دیکھو صرف ایک ماہ کی تو بات ہے۔"

"ایک ماہ میں تیس دن ہوتے ہیں۔" شکوہ کناں نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہم روز فون پر بات کیا کریں گے۔"

"پکا وعدہ؟"

"ارے یار تم تو بالکل......اچھا بابا پرامس۔" ولید کے کہنے پر وہ دھیرے سے مسکرا کر دور ہٹی۔

"بھاگ کہاں رہی ہو۔ الوداعی ملاقات تو کر لو ہم سے۔ ایک ماہ کی دوری بھی تو سہنی ہے۔" کھینچ کر اسے خود میں سمیٹ لیا۔ وہ نئے سرے سے اس کے بازوؤں میں بکھرتی چلی گئی۔ بہت روکنے کے باوجود بھی وہ آنسوؤں پر اختیار کھو بیٹھی تھی۔ ولید کے دل کو کچھ ہوا۔

"یہ دیوانی سی لڑکی مجھ سے اتنی محبت کرتی ہے۔ ایسا تو میں نے سوچا بھی نہ تھا۔"

digest-library.com

وہ ولید کی ضد پر ایئرپورٹ تک آئی تھی۔ سب سے ملنے کے بعد وہ آخر میں اس سے ملا تھا۔ واپسی کے سفر میں وہ بالکل خاموش تھی۔ شاہ زر نے اس کی خاموشی کو خاص طور سے محسوس کیا تھا۔ اسے اچھا لگا تھا یا برا وہ سمجھ نہیں سکا تھا۔

مریم کو آج اپنا کمرہ خالی خالی سا لگ رہا تھا۔ آج پہلی بار وہ یوں تنہا تھی۔ اس کے دل کو کچھ ہوا تو گھبرا کر سائرہ کو بلا لائی۔

"مجھے تنہا سونے کی عادت نہیں۔ بس آج سے تم میرے ساتھ سویا کرو۔"

"میں رات کو دیر تک ٹی وی دیکھتی ہوں۔ تم ڈسٹرب ہوگی۔"

"میری خیر ہے۔ تمہیں تو کوئی پرابلم......"

"پاگل ہوئی ہو گیا۔ مجھے بھلا کیا پرابلم ہو سکتی ہے۔" پیار سے مریم کے گلے میں باہیں ڈالیں تو وہ مسکرا دی۔

"اتنے دنوں بعد آئے اور اب اتنی جلدی جا بھی رہے ہو؟" عائشہ خاصی افسردہ نظر آرہی تھیں۔

"امی ایک ہفتے کی چھٹی لی تھی۔ جاب تو کرنی ہی ہے۔" وہ اپنا سامان پیک کر رہا تھا۔ شام کو اس کی فلائٹ تھی۔

"تم اپنا تبادلہ یہیں لاہور میں کیوں نہیں کروا لیتے۔ تمہاری کمپنی کی ایک برانچ یہاں بھی تو ہے۔"

"یہاں۔" وہ جانے کیوں خاموش سا ہو گیا۔ یہاں رہوں گا تو مریم ہر دم نگاہوں کے سامنے رہے گی اور میرا دل خواہ مخواہ سلگتا رہے گا۔ وہ محض سوچ کر رہ گیا۔ "امی میرا خیال ہے میں وہاں رہ کر صحیح کام کر سکتا ہوں۔"

"اور ماں کا تمہیں کوئی خیال نہیں ہے۔ پہلے بھی تمہاری ضد پر تمہیں امریکہ بھیجا تھا۔ اب اپنے ملک میں ہوتے ہوئے بھی پردیسیوں کی طرح رہ رہے ہو۔"

"امی! آپ ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ میرے پاس وہیں آجائیں۔ اتنا بڑا گھر ملا ہوا ہے مجھے۔ گاڑی نوکر چاکر سب کچھ ہے۔ ندا وہاں جامعہ میں ایڈمیشن لے لے گی۔"

"نہیں بیٹا میں اپنے باپ اور بھائیوں کو چھوڑ کر کیسے چلی جاؤں۔"

"امی! اس میں حرج ہی کیا ہے۔"

"میرا دل نہیں مانتا۔"

"اچھا آپ فکر نہ کریں۔ میں کوشش کروں گا کہ میرا ٹرانسفر یہاں ہو جائے۔" اس نے محض ماں کا دل رکھنے کو کہا تھا مگر فی الحال اس کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔ کراچی آتے ہی وہ مصروف ہو گیا تھا۔ ایک ہفتے میں کام کا لوڈ کافی ہو گیا تھا۔ عاقب اس کا ایک اچھا کولیگ تھا اور اس کے ساتھ مل کر وہ کافی کام کیا کرتا تھا۔ ایک بار بہت اصرار کر کے عاقب اسے اپنے گھر لے گیا تھا۔ اس کے اتنے اصرار پر اس نے انکار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ عاقب کے گھر امثال فیروز کو دیکھ کر وہ ایک لمحے کو رک سا گیا تھا۔ یہاں آتے ہوئے وہ یہ بات قطعاً فراموش کر چکا تھا

کہ امثال فیروز عاقب کی کزن ہے۔ اس نے جانچتی نگاہوں سے عاقب کو دیکھا کیونکہ امثال فیروز کی موجودگی اسے اتفاق نہیں لگ رہی تھی۔ عاقب پر شک اس لیے بھی ہوا تھا کیونکہ ایک بار پہلے عاقب نے ہی امثال کو اس کے گھر کا پتا دیا تھا۔ اس کے چہرے پر یکانت سنجیدگی چھا گئی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ ایسا کیوں تھا مگر اتنا ضرور اس کے علم میں تھا کہ وہ امثال فیروز کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اسے وہ کبھی بھی اچھی نہیں لگی تھی۔ ظاہری حسن کا اسے کوئی کریز نہیں تھا۔ امثال فیروز حسن و جمال میں مریم سے کچھ آگے ہی تھی مگر اس نے کبھی اس بات کو در خور اعتنا نہ جانا تھا۔ مریم کے بعد وہ زندگی کے کسی موڑ پر شاید کسی لڑکی سے متاثر ہو جاتا۔ وہ لڑکی امثال فیروز بھی ہو سکتی تھی۔ بشرطیکہ وہ یوں دیوانوں کی طرح اس کا پیچھا نہ لیتی۔ شاہ زر کی نظر میں وہ اپنی کشش اسی روز گنوا بیٹھی تھی جب اس نے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا۔ اتنا عرصہ مغرب میں رہنے کے باوجود اس معاملے میں اس کی سوچ ہمارے معاشرے کے روایتی مردوں کی طرح تھی۔ ڈرائنگ روم میں اس وقت گھر کے سبھی افراد موجود تھے جن میں عاقب اس کی والدہ بیوی اور چھوٹا بھائی شامل تھے۔ امثال فیروز ایک طرف بالکل خاموش سی بیٹھی تھی۔ شاہ زر نے ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا مگر وہ اس کی نگاہیں اپنے چہرے پر محسوس کر سکتا تھا۔ عاقب کی والدہ سے مل کر وہ واقعی بہت خوش ہوا تھا۔ سیدھی سادی شفیق سی خاتون تھیں اور انہی کے بے پناہ اصرار پر اسے کھانے پر رکنا پڑا تھا۔ ہما بھابی اور عاقب کی والدہ کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ عاقب فون بجنے پر اٹھ کر گیا تھا جب کہ ثاقب تو شاہ زر سے ملنے کے کچھ دیر بعد ہی چلا گیا تھا۔ وہ دونوں اب وہاں تنہا تھے۔ شاہ زر نے کوفت کے عالم میں پہلو بدلا۔ امثال محض پھیکی پھیکی نگاہوں سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ آج وہ اتفاقاً پھوپو کی طرف چلی آئی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ دشمن جاں بھی وہاں موجود ہوگا شاہ زر نے بےزاری سے ریسٹ واچ کی طرف دیکھا۔

''آپ مجھ سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں؟'' امثال کی آواز پر بے اختیار اس نے چونک کر دیکھا۔

''میں کون ہوتا ہوں آپ سے نفرت کرنے والا۔''

''آپ کرتے ہیں۔'' وہ زور دے کر بولی۔

''محترمہ نفرت یا محبت کے جذبات ان کے لیے جنم لیتے ہیں جو آپ کے اپنے ہوتے ہیں یوں انجان لوگوں سے بلا جواز نفرت کرنے والے کو بے وقوف کہتے ہیں۔''

''چھناکے کی آواز سے امثال کو کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا۔ ''انجان جس کو میں اپنا سب کچھ مانتی ہوں وہ مجھے......'' آنکھیں جل تھل ہونے لگیں۔ کتنا سمجھایا تھا اس نے خود کو کتنے بند باندھے تھے خود پر مگر اس کو سامنے دیکھ کر سب بند ٹوٹ گئے۔ وہ خود پر اختیار نہیں رکھ پائی تھی۔

''شاہ زر گردیزی! مجھے تمہاری اس بات پر یقین نہیں کہ تم کسی سے محبت کرتے ہو۔ محبت کرنے والے تو کسی کو دکھ نہیں دیا کرتے۔ ایک محبت کرنے والا دوسرے محبت کرنے والے کے دل کو اس بے دردی سے ٹھیس نہیں پہنچا سکتا۔ تم جھوٹ بولتے ہو کہ تمہیں کسی سے محبت ہے۔ یو آر اے لائیر۔'' وہ خود نہیں جانتی تھی کہ وہ کیا بول رہی تھی۔

''جسٹ شٹ اپ۔'' وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا اور بنا کسی کی پروا کیے باہر نکل گیا۔ حتیٰ کہ دروازے میں کھڑے عاقب کو بھی نظر انداز کر دیا جو ان دونوں کی گفتگو سننے کے بعد خاموش سا کھڑا تھا۔ اس نے امثال کی طرف دیکھا جو گم سم سی بیٹھی تھی۔ اس بات سے بے خبر کہ آنسو تواتر سے اس کے گالوں کو بھگو رہے تھے۔

○☆○

''یہاں میرے پاپا کی خالہ رہتی ہیں۔ آج کل انہی کے پاس رہ رہی ہوں۔''

''اتنے دن سے یہاں ہو مگر اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ آکر مل ہی جاتیں ہم سے۔'' مریم نے شکوہ کیا۔

''میں آپ لوگوں کی طرف آنے کا سوچ ہی رہی تھی۔''

''تو اب جلدی سے اپنی سوچ کو حقیقت کا روپ دے ڈالو۔'' سائرہ نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"کیوں نہیں میں ضرور آؤں گی۔" وہ دھیرے سے مسکرائی تھی۔ اس دن کے بعد وہ بہت گم صم سی رہنے لگی تھی۔ انہی دنوں اچانک فیروز ہاشم کی خالہ ان کے گھر چلی آئی تھیں۔ امثال کو دیکھا تو چونک سی گئیں۔ گم سم کمزور اور دلگرفتہ سی یہ لڑکی۔ انہوں نے جھٹ فیروز ہاشم سے کہہ دیا کہ وہ کچھ دنوں کے لیے امثال کو اپنے ساتھ لاہور لیے جارہی ہیں۔ فیروز ہاشم خود بھی اس کی اس حالت سے پریشان تھے۔ سوچا آب و ہوا بدلنے سے اچھا اثر پڑے گا اور وہ بلا چون و چرا ان کے ساتھ لاہور چلی آئی۔ آج دو دن بعد ہی بازار میں اس کی ملاقات مریم اور سائرہ سے ہوگئی تھی۔ وعدے کے مطابق دوسرے دن وہ ان کے ہاں موجود تھی۔ سب لوگ بہت اچھے طریقے سے ملے تھے۔

"کیا بات ہے امثال۔ تم اتنی کمزور کیوں دکھائی دے رہی ہو؟" تنہائی ملتے ہی مریم نے اس سے پوچھا تھا۔

"کچھ نہیں۔"

"مجھے دوست بھی کہتی ہو اور مجھ سے چھپاتی ہو۔"

"مریم وہ......"

"کچھ کہا اس نے؟"

"وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے مریم۔" اچانک ہی وہ سسک اٹھی تھی۔

"کیا اس نے خود تم سے......؟"

"نہیں۔"

"تو پھر؟"

"میں نے خود اندازہ لگایا ہے۔ اس نے تو......"

"اس نے تو کیا امثال کوئی خاص بات ہے؟" مریم کو اس کی خاموشی الجھا رہی تھی۔ وہ اپنے دل میں امثال کا دکھ محسوس کررہی تھی۔

"وہ تو سرے سے میرے وجود سے انجان ہے۔ اس کی نظر میں میں محض اجنبی ہوں۔ وہ کہتا ہے محبت یا نفرت کا رشتہ اپنوں سے ہوتا ہے۔ اس لیے اسے مجھ سے نفرت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"تو پھر تم کیوں کہہ رہی ہو کہ وہ تم سے نفرت کرتا ہے؟" مریم کو اس کی باتیں الجھا رہی تھیں۔

"وہ نہیں مانتا مگر میں تو اسے اپنا مانتی ہوں۔ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا تو ظاہر ہے نفرت کرتا ہوگا۔"

"بے وقوف ہو تم بھی خواہ مخواہ۔"

"نہیں مریم۔" امثال نے اس کی بات کاٹی۔ "میں نے محسوس کیا ہے وہ جب بھی ملتا ہے میری طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔"

"امثال! ایک بات کہوں۔"

"ہاں۔"

"میری مانو تو تم اسے اس کے حال پہ چھوڑ دو۔" مریم کے کہنے پر امثال نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔

"تم مجھے غلط مت سمجھنا۔ میں یہ سب تمہارے ہی بھلے کے لیے کہہ رہی ہوں۔ دیکھو یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ جتنی محبت تم اس سے کرتی ہو اتنی ہی محبت وہ بھی اس لڑکی سے کرتا ہو جسے وہ پسند کرتا ہے۔ تم نے کہا تھا ناں کہ وہ کسی اور سے محبت کرتا ہے۔"

"تو پھر میرے ساتھ ہی آخر ایسا کیوں ہوا؟ اللہ نے کیوں میرے دل میں اس کے لیے محبت ڈالی۔ میری یہ محبت آج سے نہیں پچھلے چھ سالوں سے اپنا دامن پھیلائے کھڑی ہے۔"

"چھ سال۔" مریم حیران ہوئی تھی۔ ایسا طوفانی عشق تو محض کتابوں میں پڑھا تھا یا فلموں میں دیکھا تھا اور یہ لڑکی ایسی دیوانی' مریم نے تاسف سے اس کی طرف دیکھا۔ آخر کون ہے ایسا پتھر دل جس کے دل پر اس معصوم لڑکی کے آنسو بھی اثر نہیں کرتے۔ اتنی حسین' طرحدار لڑکی' یہ تو خود چاہے جانے کے لائق ہے۔ مریم اس سے آگے کچھ سوچ ہی نہ پائی تھی۔ اسے تو تسلی کا لفظ بھی چھوٹا دکھائی دے رہا تھا۔

"مجھے بتاؤ مریم میں کیا کروں۔ میں چاہتے ہوئے بھی اپنا دھیان نہیں ہٹا سکتی۔ پاپا میری شادی کرنا چاہتے ہیں مگر میں اپنے اس بکھرے ہوئے وجود کے ساتھ کسی اور کی زندگی کو خراب نہیں کرنا چاہتی۔ میں بھلا کسی کو یہ دھوکہ کیسے دے سکتی ہوں کہ میرا دل' میرا دماغ' میری روح کسی اور کو چاہتے ہیں۔ محض کھوکھلا وجود کسی کو کیا خوشی

digestlibrary.com

دے گا۔"

"جانتی ہو میری شادی کی بات اپنی پھوپو کے بیٹے سے طے ہوگئی تھی جب کہ میں اور ولید ایک دوسرے کو بے پناہ چاہتے تھے۔ ولید سے بے پناہ محبت کے باوجود میں گھر والوں کے فیصلے کے آگے کچھ نہ بول پائی۔ تب میں خدا سے صرف ایک ہی دعا مانگا کرتی تھی کہ یا اللہ اگر ولید میرا نصیب نہیں تو میرے دل سے اس کے لیے محبت ختم کر دے اور وہی کر جو میرے حق میں بہتر ہے۔ میرے دل میں صرف اسی کے لیے محبت ڈال جو میرا نصیب ہے۔ پتا ہے امثال ہمارا پروردگار ہم سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ بہتر ہوتا ہے یہ تو ہم لوگوں کی کم عقلی ہوتی ہے کہ ہم اسے ٹھیک سے سمجھ نہیں پاتے۔ تم اللہ پر بھروسہ رکھو۔ وہ کبھی بھی تمہیں مایوس نہیں کرے گا۔"

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔" امثال نے دھیرے سے سر ہلایا تھا۔ "ارے اپنی باتوں میں تو میں بھول ہی گئی۔ ولید بھائی کیسے ہیں۔ سائرہ بتا رہی تھی کہ دبئی گئے ہوئے ہیں؟"

"ہاں۔" وہ افسردہ سی ہوگئی مگر خود پر جلد ہی قابو پا لیا۔ "ٹھیک ہیں وہ بھی۔ آج چار دن ہوگئے ہیں انہیں گئے ہوئے۔"

"فون تو روز کرتے ہوں گے۔"

"ہاں دن میں دو دو بار کرتے ہیں۔"

"کتنی خوش قسمت ہو تم کہ اتنا چاہنے والا شخص ہم سفر ہے۔" اس کے لہجے میں حسرت در آئی۔

"تم فکر کیوں کرتی ہو۔ انشاء اللہ تمہارے دل کی مراد بھی دیر سویر پوری ہوگی۔"

"تھینکس مریم تمہاری باتیں ہر بار مجھے نیا حوصلہ عطا کرتی ہیں۔ اب میں چلوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اتنی جلدی کھانا کھا کر جانا۔"

"نہیں پھر کبھی سہی خالہ دادی میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔ ابھی تو میں یہیں ہوں۔ آنا جانا تو لگا ہی رہے گا۔"

"آف کورس تم اپنی خالہ دادی کو بھی لاؤ ناں کبھی۔"

"کوشش کروں گی۔" وہ مسکراتی ہوئی باہر کی طرف بڑھ گئی۔ مریم نے صدق دل سے اس کے لیے دعا کی تھی۔ وہ گھر پہنچی تو سامنے برآمدے میں بچھے تخت پر خالہ دادی اور فاکہہ آنٹی بیٹھی نظر آئیں۔ انہیں سلام کرتی وہ وہیں بیٹھ گئی۔

"کھانا لگواؤں بیٹا؟" فاکہہ آنٹی اس کا بے حد خیال رکھا کرتی تھیں۔

"نہیں آنٹی بھوک نہیں ہے۔"

"ارے کیسے بھوک نہیں ہے۔ صبح سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں ہے۔ یہ آج کل کی لڑکیاں بھی موئی ڈائٹنگ کے چکروں میں اپنی صحت کی دشمن ہوئی ہیں۔ کچھ کھایا پیا کرو بیٹی۔ تمہیں دیکھ کر تو لگتا ہے صرف ہوا پانی پر گزارہ ہے۔" حسب عادت خالہ دادی کا لیکچر شروع ہو چکا تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"خالہ دادی میں ان خرافات میں نہیں پڑتی۔ بھوک لگنے پر ڈٹ کر کھاتی ہوں۔"

"لو بتاؤ اتنے دنوں سے یہاں ہو۔ میں نے تو ایک بار بھی تمہیں ڈٹ کر کھاتے نہیں دیکھا۔ آدھا گلاس جوس کا اور ایک سڑا ہوا توس کیا یہی ہے تمہارا ڈٹ کر کھانا۔"

"آج میں اپنی ایک دوست کے گھر گئی تھی۔ کھانا وہیں کھا لیا تھا۔ اس لیے بھوک نہیں ہے۔" اس نے فوراً وضاحت دی تھی۔ مبادا لیکچر سننا پڑ جائے۔

"عافیہ ابھی تک یونیورسٹی سے نہیں لوٹی؟" وہ اب خالہ دادی کی پوتی کے بارے میں دریافت کر رہی تھی۔

"وہ تو کب کی آ چکی کھانا کھا کر سو رہی ہے۔" فاکہہ آنٹی نے بتایا تو وہ بھی سونے کے لیے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

"بہو! مجھے تو یہ بچی بے حد پسند ہے۔" اس کے جانے کے بعد خالہ دادی نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"اماں! پسند تو مجھے بھی بہت ہے۔ اتنی سلجھی ہوئی اور دھیمے مزاج کی لڑکی تو نصیبوں والوں کو ملتی ہے۔"

"میں فیروز سے بات کرتی ہوں۔"

"کوئی فائدہ نہیں اماں معیز نہیں مانے گا۔"

"کیوں نہیں مانے گا۔ میں بات......"

"میں اس سے پہلے ہی اس موضوع پر بات کر چکی ہوں۔ اس نے امثال سے شادی کرنے سے انکار کر دیا

ہے۔'' فاکہہ آنٹی کے لہجے میں افسوس تھا۔
''مگر کیوں؟'' خالہ دادی کو خاصی حیرت ہوئی تھی۔
''وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے۔''
''اچھا کون ہے؟''

digest library.com

''عافیہ کی کلاس میں پڑھتی ہے۔ ایک دو بار گھر بھی آچکی ہے۔ اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بتا رہی تھی کہ خاندان بھی اچھا ہے۔ معیز نے بھی مجھ سے بات کی ہے۔ وہ چاہتا ہے ہم اس لڑکی کے گھر جاکر رشتہ مانگیں۔''

''ٹھیک ہے بہو زندگی اسے گزارنی ہے۔ ہم تو اس کی خوشی میں خوش ہیں۔'' اور دو دن بعد واقعی وہ معیز کا رشتہ لے کر وہاں پہنچ گئے تھے۔ ندا انہیں بھی پسند آئی تھی۔ عائشہ نے ان سے کچھ بھی نہیں چھپایا تھا۔ ندا کی منگنی کا سن کر ایک لمحے کو فاکہہ کا چہرہ بجھ سا گیا تھا مگر جلد ہی خود پر قابو پالیا۔ عافیہ کو ندا کی جگہ پر رکھ کر سوچا تو دل کانپ سا گیا۔ انہوں نے فوراً رشتہ ڈال دیا تھا۔ حسن رضا بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے سوچنے کا وقت مانگا تھا۔ ان کے جانے کے بعد عائشہ نے ندا کی مرضی جاننا چاہی تو وہ بلا چون وچرا مان گئی۔ وہ ایک دو بار معیز سے مل چکی تھی۔ اسے بھی وہ اچھا لگا تھا۔ معیز کے پرپوز کرنے پر ندا نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔ معیز کو اس کی صاف گوئی پسند آئی تھی۔ وہ واقعی ندا سے محبت کرنے لگا تھا اور ندا نے جان لیا تھا کہ شادی ہمیشہ ایسے شخص سے کرنی چاہیے جو آپ کو چاہتا ہو۔ آپ کی عزت کرتا ہو۔ فاکہہ نے مسلسل عائشہ سے فون پر رابطہ رکھا ہوا تھا۔ ایک دو بار گھر بھی آچکی تھیں۔ حسن رضا معیز کے متعلق سب معلومات کروا چکے تھے۔ رشتہ ہر لحاظ سے معقول تھا۔ انکار کا کوئی جواز نہیں بنتا تھا۔ انہوں نے شاہ زر سے بھی مشورہ کیا تھا شاہ زر نے ہر فیصلے کا اختیار ان کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ معیز اور ندا کا رشتہ طے ہوگیا تھا اور جھٹ پٹ دو ماہ بعد کی تاریخ بھی رکھ دی گئی۔ معیز کے گھر والے ندا کو انگوٹھی پہنانے کے لیے آئے تھے۔ ندا نے کسی بھی قسم کی دھوم دھام سے منع کردیا تھا گھر پر ہی سادگی سے وہ لوگ آکر انگوٹھی پہنا گئے تھے۔ امثال کارنر شیلف میں رکھی شاہ زر گردیزی کی تصویر دیکھ کر چونک گئی تھی۔ وہ ابھی تک الجھن میں تھی جب اندر داخل ہوتے شاہ زر کو دیکھ کر چونک گئی۔ آج اسے یقین آیا تھا کہ دنیا واقعی گول ہے۔ شاہ زر ابھی تک امثال فیروز کو نہیں دیکھ پایا تھا۔ رسم کے بعد کھانے کا اہتمام کیا گیا تھا امثال اپنی پلیٹ میں فروٹ سیلڈ ڈالے ایک طرف الگ تھلگ سی بیٹھی تھی۔ شاہ زر ایک ذمہ دار بھائی کا فرض نبھاتے ہوئے مہمانوں کی آؤ بھگت میں لگا ہوا تھا۔ تبھی اس کی نظر امثال فیروز پر پڑی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ چونک گیا تھا۔

''یہ یہاں کیا کررہی ہے؟'' ایک لمحے کو رک کر سوچا۔ نظریں اسی پر تھیں۔ اسی لمحے امثال نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ سر جھٹکتا پلٹ گیا۔ امثال کے دل پر منوں بوجھ آگرا۔ حلق سے پانی بھی نہیں اتر رہا تھا۔

''امثال کیا ہوا۔ یوں الگ تھلگ کیوں بیٹھی ہو؟'' سائرہ اسی طرف چلی آئی تھی۔

''تمہیں معیز کیسا لگا؟'' وہ کوئی بات نہ بن پڑنے پر معیز کے بارے میں اس کی رائے مانگ رہی تھی۔

''بہت اچھا' یقیناً وہ ندا کے لیے ایک اچھا لائف پارٹنر ثابت ہوگا۔''

''معیز واقعی اچھا لڑکا ہے۔ آئی تھنک وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے بہترین پارٹنر رہیں گے۔''

''عائشہ پھوپو تو بے حد خوش ہیں دیکھو۔ کیسی الوہی سی چمک آگئی ہے ان کے چہرے پر۔'' سائرہ نے سامنے کھڑی پھوپو کی طرف اشارہ کیا تو امثال نے بھی دیکھا۔

''شاہ زر بھی خاصا مطمئن نظر آرہا ہے۔''

''ک ک...... کون شاہ زر؟''

''ندا کا بھائی' وہ دیکھو۔ تم تو پہلی بار دیکھ رہی ہو ناں اسے۔ دراصل یہ جاب کے سلسلے میں کراچی میں ہوتے ہیں۔''

''ایک بات پوچھوں سائرہ؟''

''پوچھو۔''

''مریم نے مجھے بتایا تھا کہ ولید سے پہلے وہ کسی اور سے منسوب تھی۔ تو کیا وہ شاہ زر۔'' اس نے محض اپنا شک مٹانے کو دریافت کیا تھا۔

''تو اور کیا۔ بڑی دھوم دھام سے منگنیاں ہوئی

۔ ندا کی ولید بھائی کے ساتھ اور مریم کی شاہ زر کے ساتھ مگر شاہ زر بھائی نے عین شادی کے روز کر دیا تو ولید بھائی کی شادی مریم سے کر دی گئی۔ ل وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے مگر کے فیصلے کے آگے مجبور تھے۔ شاہ زر بھائی کو پتا کیسے ان دونوں کی محبت کے بارے میں پتا چل گیا وہ راستے سے ہٹ گئے۔ حالانکہ منگنی کے بعد وہ بے ل تھے اور مجھے لگتا ہے وہ مریم کو پسند بھی کرتے بہت گریٹ ہیں شاہ زر بھائی۔ ولید بھائی اور مریم الر انہوں نے اپنا پیار یہاں تک کہ بہن کا پیار بھی ان کر ڈالا۔ اوہ میرا مطلب ہے ندا کی تواریخ......" وہ ر وضاحت دینے لگی۔ آخر امثال لڑکے والوں کی تے تھی۔ امثال دھیرے سے ہنس دی۔

"تم اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو۔ منگنی ہی تھی ناں سو ئی اور تجھ سے یہ غیریت والا سلوک مت کرو۔" ل کے کہنے پر سائرہ کے اوسان بحال ہوئے۔

نے کے بعد چائے کافی کا دور چلا۔ اس کے بعد وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ امثال نے ای نگاہیں ارد گرد دوڑائیں۔ شاہ زر کہیں نظر نہ آیا۔ وہ اس سی ہو گئی۔ جانے وہ کہاں چلا گیا تھا۔ ندا سے وہ سے پہلے مل کر باہر نکل آئی تھی۔ تبھی اس کی نظر مین کو ہدایات دیتے شاہ زر پر پڑی۔ پتا نہیں وہ کون کاموں میں مصروف تھا۔ امثال بلا ارادہ ہی اس کی تکنے لگی۔ پھر خود ہی اپنی سرزنش کرنے لگی۔

"آپ یہاں تنہا......؟" شاہ زر کی آواز پر وہ بری چونکی تھی۔ "آئیے میں اندر چل کر بیٹھیے۔" وہ یقیناً حق انی ادا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"بس ابھی کچھ ہی دیر میں ہم لوگ نکلنے والے ۔" امثال کے کہنے پر وہ خاموش ہو گیا۔ دونوں کے اں بات کرنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔ امثال تو اس سے ریں ملا کر بات بھی نہیں کر رہی تھی کیونکہ اپنے دل کی ن نگاہوں پر بھی اختیار نہ تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ زر گردیزی کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت دیکھے۔ کے کہنے پر عمل کرتے ہوئے اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔

"شاہ زر! میں آپ سے ایکسکیوز کرنا چاہتی ہوں۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ گویا ہوئی تھی۔

"کس بات کے لیے؟" وہ جان کر بھی انجان بن گیا۔

"میں نے آپ کو بہت تنگ کیا ہے نا۔ پتا نہیں میں آپ سے کیا کچھ کہتی رہی مگر میں کیا کرتی میں مجبور تھی۔ محبت کوئی سیلاب نہیں جسے بند باندھ کر روکا جا سکے۔ یہ تو خود رو پودے کی طرح اگنے والا جذبہ ہے۔ جو زمین دل پر نمو پاتا ہے۔ میں نے جان لیا ہے کہ کسی کو پانے کے لیے یک طرفہ محبت ناکافی ہوتی ہے۔" لہجہ خود بخود گلوگیر ہو گیا۔

"واقعی یک طرفہ محبت ناکافی ہوتی ہے۔" وہ محض سوچ کر رہ گیا۔ "اٹس او کے مس امثال۔ میں آپ کی فیلنگز سمجھ سکتا ہوں مگر میں......"

"جانتی ہوں۔ آپ بھی کسی سے شدید محبت کرتے ہیں۔" وہ اس کی بات قطع کر کے بولی۔ "اور یہ بھی جانتی ہوں کہ میری طرح آپ بھی یک طرفہ محبت کے عذاب سے گزر چکے ہیں۔" امثال کی بات پر شاہ زر نے چونک کر اسے دیکھا۔ امثال فیروز اس کی زندگی کا اتنا اہم راز بھلا کس طرح جان سکتی ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتا سب لوگ ہال کمرے سے باہر آنے لگے۔ امثال فیروز بھی انہی لوگوں میں شامل ہو گئی۔ شاہ زر عجیب سی الجھن میں مبتلا ہو گیا۔ جب اپنے گھر والے بھی اس بات سے لاعلم تھے۔ حتیٰ کہ مریم بھی تو یہ امثال فیروز کیسے جان گئی۔ یہ لڑکی واقعی جینئس ہے یا پھر غضب کا مشاہدہ رکھتی ہے۔ اپنے بستر پر لیٹتے ہوئے آج پہلی بار وہ مریم کے علاوہ کسی دوسری لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اتنے عرصے میں پہلی بار اس نے امثال فیروز کو غور سے دیکھا تھا۔ وہ اتنی بری نہیں تھی جتنا وہ اسے سمجھتا تھا۔ شاید وہ کبھی بھی بری نہیں تھی یہ تو محض اس کے دل کی کارفرمائی تھی جو مریم کے علاوہ کسی دوسری لڑکی کو برداشت ہی نہ کر پاتا تھا۔ امثال فیروز کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ لڑکی ہو کر اظہار کر بیٹھی تھی۔ ذرا کھلے دل و دماغ سے سوچتا تو یہ ایک

کوئی بڑی بات بھی نہ تھی جس کی بنا پر کسی سے نفرت ہو جائے۔ "نفرت نہیں میں اس سے نفرت تو نہیں کرتا۔ شاید ناپسند بھی نہیں کرتا۔ شاید وہ مجھے اس لیے اٹریکٹ نہ کر سکی کیونکہ میں خود ہی ایسا نہیں چاہتا۔ میں مریم کی جگہ کسی اور کو نہیں دینا چاہتا۔ لاشعوری طور پر میں آج بھی اس کا منتظر ہوں حالانکہ یہ قطعاً ناممکن ہے۔ اس کے بارے میں اس طرح سوچنے کا مجھے کوئی حق نہیں ہے۔ وہ اب کسی کی بیوی ہے۔ یہ صریحاً گناہ ہے کہ میں کسی اور کی بیوی کے بارے میں اس طرح سے سوچوں' مان لو شاہ زر گردیزی کہ وہ اب کسی اور کی ہو چکی ہے۔" انہی سوچوں سے الجھتا جانے کب وہ نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ صبح اتوار تھا وہ دیر تک سوتا رہا۔ گیارہ بجے کے قریب اٹھ کر باہر آیا۔

"اٹھ گئے بیٹا' ناشتہ بنواؤں؟"

"صرف چائے۔ میں اب ایک ہی بار دوپہر کا کھانا کھاؤں گا۔" وہ اخبار لے کر بیٹھ گیا۔

"ندا کہاں ہے؟" اس نے یونہی دریافت کیا۔

"شازیہ کے ساتھ اوپر کمرے میں بیٹھی ہے۔"

"کون شازیہ؟"

"پڑوس میں رہتی ہے۔" وہ پوری طرح اخبار پڑھنے میں مگن تھا۔

"شاہ زر تم سے ایک بات کرنی تھی۔"

"جی امی کہیے۔"

"بیٹا! تم اب شادی کرلو۔ ندا کے جانے کے بعد تو میں بالکل تنہا ہو جاؤں گی۔ بہو آجائے گی تو گھر میں رونق ہو جائے گی۔"

"امی! اتنی جلدی بھی کیا ہے۔"

"یہ جلدی ہے۔ ماشاء اللہ اٹھائیس سال کے ہو رہے ہو۔"

"تیس کا ہو جاؤں پھر شادی کروں گا۔" وہ شگفتگی سے مسکرایا۔

"اور تب تک میں زندہ رہوں نہ رہوں۔"

"خدا نہ کرے امی۔ کیسی باتیں کرتی ہیں۔"

"تمہاری نظر میں کوئی لڑکی ہے؟"

"نہیں۔"

"میری پسند کی لڑکی سے شادی کرو گے؟"

"اس میں حرج ہی کیا ہے۔" اس نے چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا۔ "مریم نہیں تو کوئی بھی ہو۔ کیا فرق پڑتا ہے۔" باقی کا جملہ دل میں مکمل کیا۔

"امثال کیسی لگتی ہے تمہیں؟"

"کون امثال؟" وہ انجان بن گیا۔

"معیز کی کزن۔ کل آئی تو تھی۔"

"اچھا وہ......"

"مجھے تو بہت اچھی لگی ہے۔ اتنی خوب صورت اور دھیمے مزاج کی لڑکی ہے۔"

"میں آپ کو سوچ کر جواب دوں گا۔" وہ جانے کیوں فوراً انکار نہیں کر سکا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ تم سوچ لو مگر مجھے امید ہے تم انکار نہیں کر پاؤ گے۔" انہیں تو واقعی امثال فیروز بے حد پسند آئی تھی۔

digest library.com

○☆○

آج ولید کو گئے ہوئے پورے سولہ دن ہو گئے تھے اور ان سولہ دنوں میں وہ کئی بار فون کر چکا تھا۔ مریم سے خاصی لمبی بات ہوتی تھی مگر اس کی تشنگی اور بڑھ جاتی تھی۔ خود مریم کا بھی یہی حال تھا۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ ہجر میں ہی دراصل محبت کے وجود کا احساس ہوتا ہے۔ فاصلے محبتوں میں اور شدت پیدا کر دیتے ہیں۔ دوریاں محبت کو جلا بخشتی ہیں۔ وہ دن رات بس ولید کے بارے میں ہی سوچا کرتی تھی۔ اس کی آمد کے دن گن رہی تھی۔ مگر یوں لگتا تھا جیسے وقت تھم گیا ہو۔ دنوں میں پرواز رک سی گئی ہو۔ اگرچہ ولید سے روزانہ فون پر بات ہوتی تھی مگر وہ پھر بھی بے کل سی تھی۔ اگلے دو دن ولید کا فون نہ آیا تو وہ بری طرح بے چین ہو گئی۔ دل واہموں میں گھر گیا۔ دیوانوں کی طرح فون کی بیل بجنے پر لپکتی تھی مگر پتا نہیں وہ فون کیوں نہیں کر رہا تھا۔ سارا سارا دن وہ منہ چھپائے پڑی رہتی۔ منزہ بیگم بہو کی حالت سے الگ پریشان تھیں۔ وہ ٹھیک سے کچھ کھا پی بھی نہیں رہی تھی۔ اس روز وہ چکرا کر گر پڑی۔ گھر میں کوئی نہیں تھا۔ گاڑی بھی گھر

گئی۔ صد شکر کہ شاہ زر گھر پر موجود تھا۔ وہ چند دن کی
چھٹیوں پر آیا ہوا تھا۔ شاہ زر جا کر ڈاکٹر کو لایا۔ ڈاکٹر نے
چیک اپ کے بعد منزہ بیگم کو دادی بننے کی نوید سنائی۔
خوشی کے مارے ان کے تو پیر ہی زمین پر نہ ٹکتے تھے۔
شام تک سب کو خبر ہو گئی۔ سبھی خوش تھے مگر مریم کا دل
اداس تھا۔ ولید کے بغیر اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا
اور پھر خدا نے اس کی سن لی۔ ولید کا فون آیا تو وہ سسک
اٹھی۔

"ارے... ارے رے یہ کیا بھئی یہ آنسو کس بات
پر؟"

"آپ نے اتنے دنوں سے فون کیوں نہیں کیا؟"

"سوری ڈیئر دراصل کام میں اس قدر بزی تھا کہ سر
کھجانے کو فرصت نہ تھی۔"

"بہانہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے اگر میری یاد آتی
ہوتی تو چاہے کتنی ہی مصروفیت ہوتی فون کر لیتے۔" وہ
ناراض تھی۔

"یہ الزام ہے مجھ پر۔"

"جی نہیں یہ حقیقت ہے۔"

"ارے تمہیں کیسے پتا چلا؟" لہجے کا مصنوعی پن مریم
کو مسکرانے پر مجبور کر گیا۔ یہ ناراضگی تو محض دکھاوا تھا۔
سارا غصہ تو اس کی آواز سنتے ہی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا
تھا۔

"ایک خوش خبری ہے تمہارے لیے۔"

"میرے پاس بھی آپ کے لیے ایک خوش خبری
ہے۔"

"واقعی تو پھر بتاؤ جلدی سے۔"

"اوں ہوں پہلے آپ۔"

"اچھا چلو میں ہی بتاتا ہوں۔ دو دن بعد میں آ رہا
ہوں۔"

"واقعی۔" مریم کو خوشگوار سی حیرت ہوئی تھی۔

"جی ہاں تیس دنوں کا کام میں نے بائیس دنوں میں
ختم کر لیا ہے۔ اسی لیے تو مصروف تھا۔ اچھا اب تم بتاؤ
اپنی خوش خبری ہے؟"

"جب آئیں گے تب بتاؤں گی۔" لبوں پر شرمگیں
سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اٹس ناٹ فیئر تم جانتی ہو مجھ سے سسپنس
برداشت نہیں ہوتا۔ کم آن بتاؤ۔"

"دراصل آپ......"

"ہاں میں۔"

"آپ کی......"

"اُفوہ کیا بات ہے اب کہہ بھی چکو مریم۔ تجسس کے
مارے مجھے کچھ ہونے لگا ہے۔"

"آپ کی امی دادی اور......"

"کیا کیا کہا تم نے وہی کہا ناں جو میں نے سنا۔" وہ
خوشگوار سی حیرت میں گھر گیا۔ وہ دھیرے سے ہنسی تو ولید
کے اردگرد گویا دھنک رنگ بکھر گئے۔

"اوہ مریم تم نہیں جانتیں میں کس قدر خوش ہوں۔
کاش میں اس وقت تمہارے پاس ہوتا اور تمہارے
چہرے پر بکھرے خوب صورت رنگوں کو دیکھ سکتا۔ کیسی خبر
سنا دی تم نے مریم۔ مجھ سے تو اب ایک لمحہ بھی یہاں نہیں
گزارا جائے گا۔ چلو جہاں اتنا انتظار کیا وہاں دو دن اور
سہی۔ تھینک یو مریم۔ تھینک یو سو مچ۔ تم نہیں جانتیں تم
نے مجھے کتنی بڑی خوشی دی ہے۔"

"آپ کے بغیر ہر خوشی ادھوری ہے۔"

"بس میری جان صرف دو دن اور پھر ہم تم ہوں گے
یا دل ہوگا۔" وہ ترنگ میں آ کر گنگنایا تو مریم کے لبوں پر
شرمگیں مسکراہٹ دوڑ گئی اور پھر جانے وہ کتنی دیر باتیں
کرتے رہے۔ باتوں کے دوران وقت گزرنے کا پتا بھی
نہ چلا۔ گھر کے سبھی افراد ولید کی آمد کا سن کر خوش تھے۔
مریم کو دو دن دو سال کے برابر لگ رہے تھے۔ جس روز
ولید کو آنا تھا سبھی گن گن کر گھڑیاں گزار رہے تھے۔
سرپرائز کے چکر میں ولید نے اپنی فلائٹ کا وقت بھی
نہیں بتایا تھا۔ ہر آہٹ پر مریم چونک جاتی۔ صبح سے
دوپہر اور دوپہر سے شام ہو گئی۔ مگر ولید نہ آیا۔ مریم کا دل
ہولنے لگا تھا۔ بڑے بڑے وہم ستا رہے تھے۔ تبھی فون
کی بیل نے ساکت ماحول میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ شاہ
زر بھی اس وقت وہیں تھا۔ اس نے فون ریسیو کیا۔ فون
ولید کا تھا۔

"کہاں ہو یار؟ ہم کب سے تمہارا انتظار کررہے ہیں۔"

"میں یہاں دبئی سے بات کررہا ہوں۔"

digest library.com

"مگر تم تو آج آنے والے تھے۔"

"نہیں وہ دراصل......" وہ کچھ کہتے کہتے رکا۔ "مجھے یہاں کچھ کام ہے۔ اس لیے میرا مطلب ہے کام کچھ بڑھ گیا ہے۔ میں ابھی نہیں آسکتا۔" وہ بالکل بے ربط گفتگو کررہا تھا۔

"تم کیا کہہ رہے ہو کھل کر بتاؤ یار۔"

"مجھے دکھاؤ میں بات کرتا ہوں۔" حیدر رضا نے شاہ زر سے ریسیور لے لیا۔

"ولید کیا بات ہے بیٹا' تم آئے کیوں نہیں؟"

"ابو یہاں میں نے ایک نیا پروجیکٹ شروع کردیا ہے۔ جس پارٹی سے ہماری ڈیل چل رہی تھی میں نیا پروجیکٹ بھی انہی کے ساتھ کررہا ہوں۔ اس لیے میں ابھی نہیں آسکتا۔"

"مگر اس کی آخر ضرورت کیا تھی۔ تم اپنا ایک پروجیکٹ تو مکمل کرو۔"

"ابو! آپ سمجھنے کی کوشش کریں میں...... یہ بہت بڑا پروجیکٹ ہے۔ ہمیں بہت فائدہ ہوگا۔"

"تو اور کتنے دن لگیں گے اس میں۔"

"کم از کم ایک ماہ۔"

"دیکھ لو سوچ سمجھ کر سب کچھ کرنا۔"

"آپ فکر مت کریں۔ آفر اتنی اچھی تھی کہ میں انکار نہیں کرسکا۔"

"تم کہو تو میں وہاں آجاؤں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سب دیکھ لوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ لو تم ماں سے بات کرو۔" حیدر رضا نے فون منزہ بیگم کو دے دیا تھا۔ مریم بہ مشکل اپنے آنسوؤں پر کنٹرول کیے ہوئے تھی۔ اتنے لوگوں کی موجودگی میں وہ ولید سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ اسے ڈر تھا کہ وہ خود پر قابو نہیں رکھ پائے گی اور اس طرح سب کے سامنے رونا اسے ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔ اس لیے چپ چاپ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ رات کی تنہائی اس بات کی گواہ تھی کہ اس نے ساری رات رو رو کر گزاری تھی۔ صبح کے قریب کہیں جا کر اس کی آنکھ لگی تھی۔

☆☆☆

معیز نے شادی کی جلدی مچا رکھی تھی۔ اسے دو ماہ کا عرصہ بھی زیادہ لگ رہا تھا۔ شاہ زر کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ اس کا ٹرانسفر بھی لاہور میں ہوگیا تھا۔ جس پر عائشہ بے حد خوش تھیں۔ ندا کی شادی کی ڈیٹ فکس کردی گئی تھی۔ معیز کو اپنے آفس کی طرف سے ترکی جانا تھا اور وہ چاہتا تھا ندا کو ہمراہ لے کر جائے اس لیے وہ جلد سے جلد شادی کرنا چاہتا تھا۔ سائرہ' مائرہ جی جان سے عائشہ پھوپو کے ساتھ تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں۔ مریم کی طبیعت اگرچہ بوجھل بوجھل رہتی تھی مگر وہ پھر بھی ندا کی شادی کی تیاریوں میں ساتھ دے رہی تھی۔ ثانیہ اور منزہ بھی نند کا ہاتھ بٹا رہی تھیں۔ عائشہ پر کوئی بوجھ نہ تھا۔ باہر کے کام شاہ زر اور فہد نے سنبھال رکھے تھے۔ ندا ان سب کی محبتیں دیکھتی تو شرمندہ سی ہوجاتی۔ اس نے تو کبھی کسی سے سیدھے منہ بات بھی نہ کی تھی۔ ہر دم ناک پر غصہ دھرا رہتا۔ ولید کی وجہ سے وہ مریم کو تو بالکل پسند نہ کرتی تھی مگر اس کی بے غرض چاہت اور خلوص دیکھ کر وہ بہت شرمندہ ہوئی۔ مہندی سے چند روز قبل اس نے خاص طور پر مریم سے اپنے ناروا سلوک کی معافی مانگی تھی جس پر مریم نے اسے پیار سے جھڑک دیا تھا۔ یہ کہہ کر کہ بہنوں میں یہ معافی اور شکریہ جیسے الفاظ کوئی معنی نہیں رکھتے۔ ولید کا فون آتا رہتا تھا۔ اس نے خاص طور پر فون کرکے عائشہ پھوپو اور شاہ زر کو مبارک باد دی تھی۔ مہندی کا فنکشن عروج پر تھا۔ لڑکے والے بڑی شان سے مہندی لے کر آئے تھے۔ خوب ہلا گلا ہو رہا تھا۔

"یہ سفید ڈریس والی لڑکی کون ہے؟"

"پتا نہیں۔ شاید دولہا کی طرف سے ہے۔"

"کیا غضب ڈھا رہی ہے یار۔ ایمان سے اس سے نظریں ہٹانے کو جی نہیں کررہا۔" دو لڑکے آپس میں گفتگو کررہے تھے۔ شاہ زر نے یونہی ان کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ امثال فیروز واقعی آج بجلیاں گرا

رہی تھی۔ لمبے قد پر چوڑی دار پائجامہ اور فٹنگ والی ہاف سلیوز قمیض۔ بالکل سادہ سفید شیفون کا سوٹ تھا۔ شیفون کا ہی ریڈ کلر کا چنری اسٹائل میں رنگا دوپٹہ پیروں میں ریڈ نفیس سا کھسہ چاندی کی پازیبیں اس کے پیروں کی خوب صورتی بڑھا رہی تھیں۔ سیدھی مانگ اور سادہ سی چوٹی اور کانوں میں چاندی کے بالے۔ مکمل مشرقی حسن کا شاہکار لگ رہی تھی وہ۔ شاہ زر نے شاید پہلی بار اس کو اتنے غور سے دیکھا تھا اور وہ بھی اسے سراہے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ لڑکیاں ڈھول کی تھاپ پر لڈی ڈال رہی تھیں۔ مگر وہ ایک طرف کھڑی محض تالیاں بجا رہی تھی۔

''کیا بات ہے امثال۔ تم یہاں کیوں کھڑی ہو؟'' مریم اس کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی۔

''اتنے رش میں مجھے الجھن ہونے لگتی ہے۔ اس لیے یہاں آ گئی۔'' وہ دھیرے سے مسکرائی مگر اس کی مسکراہٹ آنکھوں کی بجھتی جوت کو چھپا نہیں پائی تھی۔

''بہت اچھی لگ رہی ہو۔''

''تھینکس مگر جس کے لیے اتنی تیاری کی اس نے تو دیکھا تک نہیں۔'' وہ بڑبڑائی مگر مریم نے سن لیا۔

''کیا مطلب؟ کیا وہ...... یہاں موجود ہے؟''

''ہاں...... نہیں تو۔'' وہ گڑبڑا گئی۔

''امثال! مجھ سے کچھ مت چھپاؤ۔ مجھے بتاؤ وہ کون ہے اگر میرے بس میں ہوا تو میں اس سے......''

''نہیں مریم مجھے مانگے کی محبت نہیں چاہیے۔ بھیک میں ملی ہوئی محبت سے اچھا ہے میں ساری زندگی یونہی تڑپتے ہوئے گزار دوں۔''

''مجھے بتاؤ تو سہی میں اس سنگدل......''

''اسے سنگدل مت کہو مریم۔ وہ تو محبت کرنے میں مجھ سے بھی دو ہاتھ آگے نکلا۔ اپنی محبت کی قربانی دینا آسان بات نہیں ہے۔''

''تم عجیب لڑکی ہو امثال۔ اس کی سنگدلی کا شکوہ بھی کرتی ہو اور اسے سنگدل کہنے سے بھی روکتی ہو۔ اس کی نارسائی کے دکھ پر روتی بھی ہو اور اس کی اعلیٰ ظرفی کے گن بھی گاتی ہو۔''

''تم نہیں سمجھو گی یہ۔'' وہ لبوں پر دھیمی سی مسکان سجائے ہوئے تھی۔ ''میری چھوڑو تم بتاؤ اتنی سادہ کیوں نظر آ رہی ہو؟'' امثال کے کہنے پر مریم نے سرد آہ خارج کی۔

''کس کے لیے سجتی۔ مجھے سراہنے والا تو یہاں ہے ہی نہیں۔'' وہ افسردہ سی ہو گئی۔

''کب آ رہے ہیں ولید بھائی؟''

''شاید اگلے ہفتے۔''

''بھابی! آپ کو امی بلا رہی ہیں۔'' مائرہ کی آمد پر باتوں کا سلسلہ منقطع ہوا۔

''اچھا میں آتی ہوں۔'' وہ مائرہ سے کہہ کر امثال کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''امثال تم آؤ وہاں سب کے پاس آ کر بیٹھو۔''

''تھینکس مریم مگر میں یہیں ٹھیک ہوں۔''

''او کے۔'' مریم کے جانے کے بعد اس نے متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ اب تک اس نے صرف ایک بار شاہ زر کی جھلک دیکھی تھی۔ ایش گرے راسلک کے کرتے اور سفید شلوار میں اس کا اونچا لمبا سراپا بے حد جچ رہا تھا۔ اب پتا نہیں وہ کہاں چلا گیا تھا۔ اسے اس شور ہنگامے سے وحشت ہونے لگی تھی۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ وہ شور سے بچنے کی خاطر اندر چلی گئی۔ اس کا ارادہ اوپر نداکے کمرے کی طرف جانے کا تھا۔ کوریڈور کے اختتام پر مڑتے ہوئے وہ کسی سے بری طرح ٹکرائی تھی۔ اس کا سر آنے والے کے سینے سے اس زور سے ٹکرایا تھا کہ آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ شاہ زر کے لیے بھی یہ صورت حال بالکل غیر متوقع تھی۔ وہ کسی کام کی غرض سے اوپر آیا تھا۔ اس اچانک رونما ہونے والے واقعے پر وہ بوکھلا سا گیا تھا اور بالکل میکانکی انداز میں اس نے امثال کو زمین بوس ہونے سے بچانے کے لیے اس کی کلائی تھامی تھی۔ گرفت اتنی مضبوط تھی کہ نازک سی کلائی میں پڑی کانچ کی چوڑیاں ٹوٹ گئیں۔ ٹوٹی چوڑی کا نوکیلا سرا اس کی کلائی کو زخمی کر گیا۔

''اوہ آئی ایم سوری۔'' شاہ زر اس کی کلائی سے خون نکلتا دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ ''آپ...... آپ میرے ساتھ آئیں۔'' اس کا ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ گھسیٹتا ہوا وہ

ایک کمرے میں داخل ہوا۔ ''میں بینڈیج کر دیتا ہوں کہیں یہ سیپٹک نہ ہو جائے۔'' امثال کو بیڈ کے ایک کونے پر بٹھاتے ہوئے وہ خود الماری میں سے فرسٹ ایڈ باکس نکالنے لگا۔ اس سارے عرصے میں امثال ایک لفظ نہ بولی تھی، محض خاموش نظروں سے اس کی کارروائی دیکھ رہی تھی۔

digest library.com

''یہ اتاریں پلیز۔'' باقی چوڑیوں کی طرف اشارہ کیا۔ امثال نے چپ چاپ چوڑیاں اتار دیں۔ اس نے ڈیٹول سے زخم صاف کیا۔ آدھے انچ کا چوڑی کا ٹکڑا جلد کے اندر تک کھب گیا تھا۔ خون بھی کافی بہہ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پر بینڈیج کرنے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ امثال پر نظر پڑی تو ایک لمحے کو تھم سا گیا۔ وہ بنا پلکیں جھپکائے اسی کو دیکھ رہی تھی۔ اس پورے عمل کے دوران اس کے لبوں سے سی تک کی آواز نہ نکلی تھی۔

''سوری اگین میری وجہ سے یہ زخم......''

''زخم آپ نے دیا پر مرہم بھی تو اس پر آپ نے لگایا۔'' امثال نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے کہا۔

اس کا لہجہ شاہ زر کو بہت کچھ باور کروا گیا۔ ''ندا کا کمرہ یہاں سے بائیں ہاتھ کی طرف ہے۔'' وہ یہ کہتا وہاں سے چلا گیا۔ امثال نے بائیں کلائی پر بندھی پٹی کو غور سے دیکھا۔ دھیرے سے اس پر ہاتھ پھیر کر ایک اجنبی لمس کو محسوس کرنا چاہا۔ پھر جانے کیا ہوا وہ اپنی کلائی کو لبوں سے لگا کر بری طرح رو دی۔

ندا کی شادی بخیر و خوبی انجام پائی تھی۔ وہ معیز کی سنگت میں بے حد خوش تھی اور بیٹی کی خوشی عائشہ کا ڈھیروں خون بڑھا دیتی تھی۔ ندا کی امثال کے ساتھ اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ عائشہ نے بیٹی کے کان میں یہ بات ڈال دی تھی کہ وہ امثال کو شاہ زر کے حوالے سے پسند کرتی ہیں۔ ندا کو بھی یہ سن کر خوشی ہوئی تھی۔ ایک دو بار اس نے یونہی باتوں باتوں میں امثال کو شاہ زر کے حوالے سے چھیڑا تو وہ چونک گئی مگر پھر اسے اپنا وہم سمجھ کر جھٹلا دیا۔ فیروز ہاشم اسے لینے کے لیے آئے تو وہ تیار ہو گئی۔ اتنا عرصہ ہو گیا تھا اسے وہاں رہتے ہوئے۔ وہ اب اپنے گھر جانا چاہتی تھی۔ فائنل کا رزلٹ بھی آ چکا تھا اور وہ اچھے نمبروں سے پاس ہو گئی تھی۔ فیروز چاہتے تھے کہ وہ ان کے ساتھ آفس میں ہاتھ بٹائے۔ امثال نے محض خود کو مصروف رکھنے کی خاطر ہامی بھر لی تھی۔

''ہم بہت جلد تمہارے گھر آئیں گے۔'' روانگی کے وقت ندا نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔

''کہاں نہیں، معیز اور تم ترکی جانے سے پہلے ہمارے گھر ضرور آنا۔'' وہ خوش دلی سے مسکرائی۔

''وہ تو ہم آئیں گے ہی مگر میں اس وقت اپنی اور امی کی بات کر رہی ہوں۔''

''فاکہہ آنٹی کے آنے پر تو مجھے اور بھی زیادہ خوشی ہو گی۔'' وہ اب بھی ندا کی بات نہیں سمجھی تھی۔ ندا بے ساختہ ہنستی چلی گئی۔ ''تم ہنس کیوں رہی ہو؟''

''تمہاری معصومیت پر۔''

''میں تمہیں معصوم نظر آتی ہوں، حیرت ہے۔'' وہ ہنسی۔

''میں اپنی امی کی بات کر رہی تھی۔ وہ شاہ زر بھائی کے حوالے سے بہت کچھ سوچے بیٹھی ہیں۔ تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے نا؟'' ندا استفسار کر رہی تھی جب کہ امثال مارے حیرت کے گنگ کھڑی تھی۔

''تو کیا میری دعائیں قبول ہو گئیں؟'' وہ سوچ رہی تھی۔

''کیا ہوا امثال، کیا سوچنے لگیں؟''

''ندا! میں انتظار کروں گی۔'' ایک دلفریب مسکان لبوں پر بکھری تھی۔ واپسی کا سفر بے حد خوشگوار تھا۔ صرف یہ احساس ہی رگ و پے میں سرخوشی دوڑانے کو کافی تھا کہ وہ عنقریب شاہ زر گردیزی کی ہونے والی ہے۔ دل کا موسم خوشگوار ہونے کی نوید کیا ملی، وہ سرتاپا بدل گئی۔ پہلے کی طرح ہنسنے بولنے لگی۔ نگاہیں ہر دم کسی آنے والے کی منتظر رہتیں۔ ندا سے فون پر ایک دو بار بات ہوئی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ چند روز تک عائشہ اور حسن رضا کراچی آئیں گے۔ وہ ہر صبح انتظار کا دیا ہاتھ میں لیے اٹھتی۔ فیروز ہاشم اس کی اس تبدیلی پر خاصے مطمئن نظر آتے تھے۔

○☆○

''آپ سچ کہہ رہے ہیں نا؟'' مارے خوشی کے آواز

کپکپا گئی۔

"تمہاری قسم میں واقعی آج آ رہا ہوں۔"

"ولید! مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

"جناب میلوں دور بیٹھ کر میں آپ کو صرف زبانی کلامی ہی یقین دلا سکتا ہوں۔ جب گھر آؤں گا تو پریکٹیکل بھی کر کے دکھا دوں گا۔ میلوں دور بیٹھ کر بھی وہ محسوس کر سکتا تھا کہ مریم گلنار ہو گئی تھی۔

"اس وقت کہاں سے بول رہے ہیں؟"

"دبئی ایئرپورٹ سے بس ابھی کچھ ہی دیر میں فلائٹ ٹیک آف کرنے والی ہے۔"

"پچھلی بار کی طرح دھوکہ مت دیجیے گا۔" وہ نروٹھے پن سے گویا ہوئی تو ولید نے قہقہہ لگایا۔

"تم مجھے دھوکے باز سمجھتی ہو۔"

"میرے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔ آپ خود ہی احتساب کر لیجیے۔"

"ایک بات یاد رکھنا مریم۔ میں خود کو تو دھوکہ دے سکتا ہوں مگر تمہیں نہیں۔ بھلا کوئی اپنی زندگی سے دھوکہ کر سکتا ہے؟" وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"اسی لیے تو میں اپنے آپ کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھتی ہوں۔"

"سنو میرا استقبال کچھ خاص طریقے سے کرنا تاکہ ہمیں بھی اپنی خوش قسمتی پر یقین آ سکے۔"

"مثلاً کیسے؟"

"تم وہ میرا فیورٹ میرون ڈریس زیب تن کرنا۔ بالوں میں گجرے لگانا' کلائیوں میں بھی اور ہاں پیروں میں وہ سونے کی پازیبیں پہننا مت بھولنا۔"

"توبہ کریں میں یہ سب نہیں کروں گی۔" لہجہ شرمگیں ہو گیا۔

"سچا پکا مسلمان ہوں۔ بیوی کو من پسند روپ میں دیکھنے کا حق رکھتا ہوں۔"

"مجھے شرم آتی ہے۔"

"یعنی کہ میرے علاوہ بھی آپ کسی سے شرماتی ہیں۔" اس کا شرارتی لہجہ مریم کو سرخ کر گیا۔

"میں فون بند کرنے لگی ہوں۔" دھمکی دی جس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔

"اچھا بابا فون مت بند کرو۔ میں ہی اپنی بولتی بند کر دیتا ہوں۔"

"اف کتنی ایکٹنگ کرتے ہیں نا آپ۔" وہ محض چڑانے کو بولی تھی۔

"کیا کیا تمہیں یہ سب ایکٹنگ نظر آتا ہے۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔ "ٹھیک ہے جناب چلا لو جتنے تیر چلانے ہیں۔ ایک ہی بار ایسا جواب دوں گا کہ......"

"ولید۔" اس نے گھبرا کر اس کی بات کاٹی تھی۔

"اچھا اب فون رکھتا ہوں۔ فلائٹ کا وقت ہو گیا ہے۔"

"اپنا خیال رکھیے گا۔ میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔"

"اللہ حافظ۔ ٹیک کیئر۔"

"فی امان اللہ۔" فون بند کرتے ہوئے وہ عجیب سی کیفیت میں گھر گئی۔

"کس کا فون تھا مریم؟" منزہ بیگم کے دریافت کرنے پر وہ چونکی۔

"ولید کا۔"

"کیا کہہ رہا تھا۔ ٹھیک تو ہے نا وہ۔"

"آنٹی! وہ آج رات تک یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"واقعی۔"

"جی وہ ایئرپورٹ سے فون کر رہے تھے۔"

"اللہ کی امان ہو۔ میرا بچہ ساتھ خیریت کے وطن واپس لوٹے۔" منزہ بیگم دعائیہ انداز میں بڑبڑائیں۔ مریم اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ شام کو پہننے کے لیے لباس منتخب کرنے لگی تو نگاہ خود بہ خود ولید کے بتائے ہوئے میرون کرتا پائجامہ پر ٹک گئی۔ کچھ سوچ کر اس نے وہ ڈریس نکال لیا۔ وقت گویا کچھوے کی رفتار سے چل رہا تھا۔ خدا خدا کر کے مغرب ہوئی۔ نماز ادا کرنے کے بعد وہ بالکل ولید کی پسند کے مطابق تیار ہو گئی۔ آئینے میں اپنا روپ دیکھ کر خود ہی شرما گئی۔ اس حلیے میں کمرے سے باہر جانا اسے عجیب لگ رہا تھا۔

"مریم کہاں ہو یار سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

عائشہ پھوپو بھی پوچھ رہی ہیں۔'' سائرہ بولتی ہوئی اندر داخل ہوئی پھر ایکدم اسے دیکھ کر رک گئی۔

''اوئے ہوئے۔ تیاریاں۔'' شوخی سے اس کے ارد گرد گھوم پھر کر سیٹی بجائی۔

''بکومت۔'' وہ جھینپ گئی۔

''ولید بھائی تو تمہیں دیکھتے ہی فریش ہو جائیں گے۔'' سائرہ شوخ ہوئی۔

''سائرہ میں اوور تو نہیں لگ رہی۔''

''ارے بالکل نہیں۔ اتنی پیاری لگ رہی ہو کہیں میری نظر نہ جائے۔''

''کون کون آیا ہوا ہے؟''

''سبھی موجود ہیں۔ علی چچا بھی دادا بھی اور شاہ زر بھائی بھی۔''

''تب تو میں اس حلیے میں ان کے سامنے بالکل نہیں جا سکتی۔''

''افوہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''مجھے شرم آتی ہے۔ میں ایسا کرتی ہوں یہ گجرے اتار دیتی ہوں۔ بعد میں پہن لوں گی۔'' اس نے بالوں اور ہاتھوں میں سے گجرے اتارے جو اس نے شام کو ہی فہد سے کہہ کر منگوائے تھے۔

''چلو ٹھیک ہے۔'' وہ سائرہ کی ہمراہی میں لاؤنج میں داخل ہوئی۔ سب کو سلام کرنے کے بعد عائشہ پھوپو کے پاس بیٹھ گئی۔ شاہ زر نے کنکھیوں سے اس کو دیکھا ان دو ماہ میں وہ پہلی بار اتنی خوش دکھائی دے رہی تھی۔

''شاہ زر! بیٹا تم اور فہد ولید کو ریسیو کرنے جانا۔ میں نے پتا کروایا ہے۔ فلائٹ کچھ ہی دیر میں پہنچنے والی ہے۔'' حیدر رضا کی بات پر شاہ زر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''مریم! بیٹا اچھی سی چائے تو پلواؤ۔ فہد ذرا ٹی وی آن کر دو۔ نیوز چینل لگانا۔'' حسن رضا بیک وقت دونوں سے مخاطب تھے۔ مریم چائے بنانے کے لیے اٹھ گئی۔ مائرہ کی مدد سے چائے بنوائی اور ٹرالی گھسیٹتی ہوئی اندر لا رہی تھی۔ جب ٹی وی پر نظر پڑتے ہی ایکدم ساکت ہو گئی۔ باقی سب کا بھی یہی حال تھا۔ ''دبئی سے لاہور آنے والی فلائٹ کریش ہو گئی۔'' مریم پر گویا بجلی گر گئی تھی۔

''نہیں۔'' وہ پوری قوت سے چلائی تھی۔ اس کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ قبل اس سے کہ وہ لہرا کر زمین پر گرتی۔ شاہ زر جو دروازے کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ لپک کر اس کی طرف گیا۔ وہ بے ہوش ہو کر اسی کے بازوؤں میں گر گئی۔ ایک کہرام بپا ہو گیا۔ منزہ بیگم بھی غش کھا کر گر پڑی تھیں۔ حسن رضا کی الگ بری حالت تھی۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ مریم کو لٹانے کے بعد وہ علی رضا کے پاس چلا آیا۔

''ماموں! آپ دادا کو اور حیدر ماموں کو سنبھالیں۔ میں خود جا کر ساری تفصیلات معلوم کرتا ہوں۔ کیا پتا ولید اس فلائٹ میں نہ آیا ہو۔''

''خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔'' علی رضا سخت فکر مند نظر آ رہے تھے۔ اتنے میں فہد ڈاکٹر کو لے کر آ گیا۔ دو گھنٹے بعد جب وہ گھر لوٹا تو بے حد ٹوٹا ہوا تھا۔ گھر کے در و دیوار پر ایک مہیب سناٹا چھایا ہوا تھا۔ مریم ابھی تک بے ہوش تھی۔ منزہ بیگم بھی نیم بے ہوشی کی حالت میں تھیں۔ دادا جان کی حالت بھی کچھ مختلف نہ تھی۔ علی رضا' حیدر رضا کو سنبھالے بیٹھے تھے۔ ثانیہ بیگم سائرہ' مائرہ کو تسلی دے رہی تھیں۔ عائشہ پھوپو مریم کے پاس تھیں۔

''کیا ہوا؟''

''کچھ پتا چلا؟''

''ولید اس فلائٹ میں نہیں تھا نا۔'' اس کے اندر داخل ہوتے ہی سوالوں کی بوچھاڑ ہو گئی۔ وہ صوفے پر ڈھے سا گیا۔ دل رو رہا تھا۔ آنکھیں چھلکنے کو بے تاب تھیں۔ اس کا عزیز از جان دوست بھائیوں سے بڑھ کر چاہنے والا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ وہ ضبط نہ کر پایا اور منہ پر ہاتھ رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ سائرہ مائرہ کی چیخوں نے در و دیوار کو لرزا دیا۔ حیدر رضا ایک ہی پل میں صدیوں کے بوڑھے نظر آنے لگے تھے۔ اکلوتا جوان بیٹا یوں اچانک چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ ساری رات یونہی روتے ہوئے آہ و بکا میں گزر گئی۔ عزیز و اقارب کو اطلاع دے دی گئی تھی۔ تعزیت کے لیے آنے والوں کا تانتا

digest library.com

...چا تھا۔ منزہ بیگم کو ہوش آچکا تھا۔ مریم ہوش میں آنے کے بعد سے سکتے کی حالت میں تھی۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ ...رلایا جائے ورنہ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہونے کا ...ہے۔ سب نے کوشش کی مگر وہ ٹس سے مس نہ ...بس خالی خالی نظروں سے سب کو دیکھے جاتی۔

"ارے اس بدنصیب کو تو قبر کی مٹی بھی نصیب نہ ...ہائے میرا جوان بیٹا۔ مجھے کیوں نہ موت آگئی۔" ...بیگم کے بین سب کو رلا رہے تھے۔

"امی مریم کو رلائیں ورنہ اس کی حالت بگڑ جائے ..." شاہ زر کا لہجہ دکھ اور فکر مندی کا غماز تھا۔ کسی نے ...بھی نہ تھا کہ ہنستا بستا گھر یوں اجڑ جائے گا۔

"بیٹا! سب کوشش کر تو رہے ہیں مگر......" وہ منہ پر ...رکھ کر رو پڑیں۔

"سائرہ تم کوشش کرو۔" اس نے پاس بیٹھی سائرہ ...کہا جو غم کی شدت سے نڈھال بیٹھی تھی۔ سائرہ کی بھی ...بری حالت تھی۔ ان کا اکلوتا بھائی چھن گیا تھا۔ اس ...بڑی قیامت اور کیا ہو سکتی ہے۔ رفتہ رفتہ رش کم ہو ...سسکیوں اور آہوں میں ڈوبی شام کے سائے ...ہو گئے تھے۔ اس وقت سب مریم کے گرد جمع ...ہے۔

"مریم! کچھ تو بولو دیکھو ولید بھائی ہمیں چھوڑ کر چلے ...ہیں۔" سائرہ خود بری طرح رو رہی تھی۔ "تمہارا گھر ...اجڑ گیا ہے۔ تمہارا جیون ساتھی تمہیں چھوڑ کر چلا گیا ...ہے۔ ارے اس کے جانے کا ماتم بھی نہیں کرو گی۔ روؤ ...مریم روؤ۔" سائرہ نے اسے دونوں کندھوں سے تھام کر ...جھنجوڑ ڈالا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"بھابی! یہ دیکھیں ولید بھائی اب صرف ہمیں ...تصویروں میں نظر آئیں گے۔ وہ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے ...ہیں۔ سائرہ ہاتھ میں ولید اور اس کی شادی کی فریم شدہ ...تصویر لیے آگے بڑھی۔ منزہ بیگم کو لگا ان کا کلیجہ پھٹ ...جائے گا۔ وہ اس کے کمرے سے نکل گئیں۔ ندا ایک ...طرف الگ غم کی تصویر بنی کھڑی تھی۔ شاہ زر سے اس کی ...حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ حیدر رضا اور علی رضا تو ...پہلے ہی باہر جا چکے تھے۔

"تم روتی کیوں نہیں ہو۔ کیا تمہیں ولید کے جانے کا کوئی دکھ نہیں ہے۔ کوئی غم نہیں ہے اس بات کا کہ تمہارا ہمسفر تمہیں تنہا چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ بولو مریم۔ کیا واقعی تم اس کے جانے کا دکھ محسوس نہیں کر رہیں؟" شاہ زر کے ضبط کی طنابیں چھوٹ گئیں۔ اس کے سامنے بیٹھا وہ اسے رلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مریم نے خالی خالی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا پھر ہاتھ میں پکڑی ولید کی تصویر پر نظر ڈالی۔

"مریم!" شاہ زر نے پکارا۔ اس نے دیکھا وہ سامنے کسی چیز کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ پھر یکایک وہ اٹھی اور دوڑ کر ڈریسنگ ٹیبل تک گئی۔ دونوں گجرے اٹھا کر کلائیوں میں چڑھائے۔

"یہ کیا کر رہی ہو مریم؟" سائرہ اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

"ولید آنے والے ہیں نا۔ انہوں نے کہا تھا میں ان کے استقبال کے لیے اچھی طرح تیار ہو کر......"

"بس کرو مریم۔" سائرہ اس کے ہاتھ سے گجرا چھین کر رو دی۔

"تم رو کیوں رہی ہو۔ چلو نا ایئر پورٹ بھی جانا ہے۔ ولید آنے والے ہوں گے۔" وہ اس وقت بالکل حواسوں میں نہیں تھی۔ وہ دروازے تک گئی پھر مڑی۔

"کمال ہے۔ سب رو رہے ہیں۔ کوئی میرے ساتھ ایئر پورٹ بھی نہیں چلتا۔"

"ولید مر چکا ہے۔ تم کسے لینے جاؤ گی وہاں؟" شاہ زر قدرے سخت لہجہ بناتے ہوئے اس کے قریب جا کھڑا ہوا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو۔ ابھی ابھی میری ان سے فون پر بات ہوئی ہے۔" وہ غصے میں آ گئی۔

"مریم! ولید تمہیں چھوڑ کر جا چکا ہے۔ تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔" شانوں سے پکڑ کر اسے جھنجوڑ ڈالا۔ مریم نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔ شاہ زر کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ ولید مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ وہ مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔"

وہ زور زور سے نفی میں سر ہلانے لگی۔ ''چھوڑو مجھے۔ میں ولید کے پاس جاؤں گی۔ وہ انتظار کر رہا ہوگا۔ چھوڑو جانے دو مجھے۔'' وہ خود کو اس کی گرفت سے چھڑوانے کے لیے مچلی۔ ''مجھے ولید کے پاس جانا ہے۔'' وہ چلا رہی تھی۔

''چٹاخ۔'' شاہ زر کا تھپڑ اس کے حواس منجمد کر گیا۔ یکدم خاموشی چھا گئی۔ وہاں موجود ہر فرد کے لبوں پر دبی دبی سسکیاں تھیں۔ شاہ زر بہ مشکل اپنے آنسو ضبط کرتا اس کو دیکھ رہا تھا۔

''ولید۔'' مریم کی سرگوشی ابھری۔

''ہی از نو مور۔ وہ مر چکا ہے۔'' شکستہ سے انداز میں کہتا وہ صوفے پر ڈھے گیا۔

''یہ نہیں ہوسکتا۔ تم نے تو کہا تھا تم مجھے کبھی دھوکہ نہیں دے سکتے۔'' بے طرح روتی وہ سب کو رلا گئی۔

وہ اس طرح تڑپ تڑپ کر روئی کہ سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ اس کی آہ و بکا سے سب کے دل پھٹے جا رہے تھے۔ بہ مشکل اسے نیند کی گولی کھلا کر سلایا گیا۔ سائرہ اس کے پاس تھی۔ وہ نیند میں بھی دھیرے دھیرے سسک رہی تھی۔ سائرہ کا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ یہ رونا تو شاید اب عمر بھر کا تھا۔

کسی کے چلے جانے سے زندگی نہیں رکتی۔ کاروبار زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لوگ کہتے ہیں کہ وقت گزر جاتا ہے مگر حقیقت تو یہ ہے کہ وقت نہیں لوگ گزر جاتے ہیں۔ وقت تو وہیں کھڑا رہتا ہے۔ موسم وقت پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی ہر سو خوشی کی بہار ہوتی ہے تو کبھی غم کے کالے بادل منڈلا رہے ہوتے ہیں۔ موسم تو کبھی اپنے اپنے وقت پر آ کر گزر جاتے ہیں۔ بات صرف محسوس کرنے کی ہے۔ خوشی کے سو لمحوں پر غم کا محض ایک لمحہ بھی بھاری ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ سبھی زندگی کی طرف لوٹ آنے تھے۔ شاہ زر نے حیدر رضا کے کہنے پر ان کا آفس سنبھال لیا تھا۔ بیٹے کے غم سے منزہ بیگم بستر سے جا لگی تھیں۔ حسن رضا جوان پوتے کے دکھ میں اندر ہی اندر گھل رہے تھے۔ سائرہ مائرہ دن رات مریم کی دلجوئی میں لگی رہتیں۔ عائشہ اور ثانیہ ہمہ وقت منزہ بیگم کی ڈھارس بندھاتی رہتیں۔ مریم کو بالکل چپ لگ گئی تھی۔ وہ سارا سارا دن اپنے کمرے میں بیٹھی رہتی۔ شروع شروع تو وہ ہر پل روتی رہتی تھی۔ اب تو اتنا رو چکی تھی کہ آنسو بھی خشک ہو گئے تھے۔ اس روز وہ لان میں بیٹھی تھی جب شاہ زر اندر داخل ہوا۔ وہ گم سم سی خلاؤں میں گھور رہی تھی۔ وہ اسے اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا تھا اس لیے اس کے سامنے بہت کم آتا تھا۔ آج اتفاقاً سامنا ہو گیا تو وہ خود کو روک نہ پایا۔ اس کے قریب کھا اس پر بیٹھ گیا وہ اب بھی نہ چونکی تھی۔

''مریم!'' وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں۔''

''اس طرح یہاں کیوں بیٹھی ہو۔ شام ہونے والی ہے۔ موسم خاصا سرد ہو رہا ہے۔''

''موسموں کی شدت اب مجھ پر اثر انداز نہیں ہوتی۔'' لہجہ بے حد خشک تھا۔ شاہ زر نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''خود کو سنبھالو مریم۔ اپنا نہیں تو اپنے ہونے والے بچے کا خیال کرو جو ولید کی آخری نشانی ہے۔ ممانی بتا رہی تھیں کہ تم ٹھیک سے کچھ کھاتی پیتی بھی نہیں ہو۔ خود کو اس ڈپریشن سے باہر نکالو مریم۔ اپنی اور اپنے بچے کی صحت کا خیال رکھو۔ ماموں اور ممانی کی امیدوں کا واحد مرکز ہو تم۔ ان کے بیٹے کی آخری نشانی کی وارث۔ تم ہی حوصلہ چھوڑ دو گی تو ان کو سہارا کون دے گا۔'' آج اتنے دنوں بعد اسے مریم سے بات کرنے کا موقع ملا تھا۔

''کہنے میں اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے شاہ زر۔ کسی کو دلاسا دینا تو بہت آسان ہوتا ہے مگر اس درد کی شدت کو سہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔''

''تم کیا سمجھتی ہو ہمیں ولید کے جانے کا دکھ نہیں۔ یا ہمارے دل پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔ مانا کہ تمہارا دکھ بہت بڑا ہے مگر دکھ ہمارا بھی کم نہیں ہے۔ تم نے اگر اپنا شوہر کھویا ہے تو ماموں اور ممانی نے اپنا اکلوتا بیٹا کھویا ہے۔ میں نے اپنا جان سے پیارا دوست کھویا ہے۔ سائرہ اور مائرہ نے اپنا چہیتا بھائی کھویا ہے۔ یہاں تو سبھی

digest-library.com

سارے میں ہیں۔ دیکھو مریم۔ ہم سب کا درد مشترک ہے اور اسے ہمیں مل جل کر بانٹنا ہے۔ زندگی چلتے رہنے کا نام ہے۔"

"میں کیا کروں شاہ زر، میرے دل میں تو جینے کی امنگ ہی ختم ہوگئی ہے۔" لہجہ گلوگیر ہوگیا۔

"اپنے اندر یہ امنگ پیدا کرو مریم، اپنے لیے نہیں تو اپنے بچے کے لیے۔ ماموں اور ممانی کے لیے، ہم زندگی کو اپنے لیے گزارتے ہیں مگر بعض اوقات زندگی ہمیں گزارتی ہے۔ ہمیں دوسروں کی خاطر جینا پڑتا ہے۔ تمہیں دکھی دیکھ کر سب دکھی ہوجاتے ہیں۔"

"تو کیا کروں میں۔ مجھے ایکٹنگ کرنی نہیں آتی۔ دل روئے اور لبوں پر ہنسی ہو میں اتنا حوصلہ نہیں رکھتی۔"

"زیادہ نہیں مگر تم کم از کم اتنا تو کرسکتی ہو کہ خود پر توجہ دینا شروع کردو۔ اپنے کھانے پینے کا خیال رکھا کرو۔ ماموں ممانی اسی بات سے ہی مطمئن ہوجائیں گے۔ تم جانتی ہو حیدر ماموں کو انجائنا کا اٹیک ہوا ہے۔"

"کب؟" وہ چونک کر شاہ زر کی شکل دیکھنے لگی۔

"دو ہفتے قبل ولید کے سوئم والے دن اور منزہ آنٹی کی حالت تو تمہارے سامنے ہے۔ جوان بیٹے کی جدائی کا غم تو ہے ہی مگر انہیں تمہارے دکھی ہونے کا احساس کھائے جارہا ہے۔ وہ تمہارے بارے میں بہت فکر مند رہتی ہیں۔" شاہ زر کی باتوں کے جواب میں وہ ڈھیرے سے سر ہلا کر رہ گئی۔ واقعی وہ اردگرد سے بے نیاز ہوگئی تھی۔ اسے تو اپنا ہوش تک نہ رہا تھا۔ کئی کئی دن تک بالوں میں کنگھی نہیں کرتی تھی۔ سائرہ ہی زبردستی اسے کپڑے بدلنے کو کہتی تھی۔

اور پھر اس نے خود کو سنبھال لیا۔ اپنے کھانے پینے پر دھیان دینے لگی۔ منزہ آنٹی کے پاس بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہتی۔ رفتہ رفتہ گھر کے ماحول پر چھائی مردنی کم ہونے لگی۔ شام ہوتے ہی سبھی وہاں اکٹھے ہوجاتے تاکہ کسی کو کمی کا احساس نہ ہو۔ زندگی اپنی ڈگر پر چل پڑی تھی۔ نبیہ اور سائرہ کی نوک جھونک زندگی کا پتا دیتی تھی۔ شاہ زر نے حیدر رضا کو بیٹے کی کمی محسوس نہ ہونے دی تھی۔ ولید کو گزرے تین ماہ ہوچکے تھے۔ امثال فیروز پچھلے دنوں اپنے ماموں کے ہاں نیویارک گئی ہوئی تھی۔ سمیر کی شادی تھی۔ صبا کے ہاں بیٹی نے جنم لیا تھا۔ ان لوگوں نے اتنے اصرار سے بلایا تھا کہ وہ انکار نہ کرسکی۔ وہاں پہنچ کر بھی دھیان پاکستان میں لگا رہا۔ ابھی تک شاہ زر کے گھر والے پروپوزل لے کر نہیں آئے تھے۔ وہ رفتہ رفتہ مایوس ہوگئی۔ اپنی خوش فہمیوں پر خود ہی ہنس دی۔ مگر یہاں آکر پتا چلا کہ کیسی قیامت ٹوٹی تھی ان لوگوں پر۔ گیارہ ماہ پہلے وہ جس کی شادی میں شرکت کے لیے لاہور آئی تھی۔ آج اسی کی تعزیت کے لیے آئی تھی۔ مریم کے بارے میں سوچ سوچ کر اس کا دل بھر آتا تھا۔ جب مریم سے ملی تو ششدر رہ گئی۔ یہ پہلے والی مریم تو ہرگز نہ تھی۔ چند ماہ میں ہی وہ خاصی کمزور ہوگئی تھی۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کن الفاظ میں اظہار افسوس کرے کیونکہ تسلی یا صبر کا لفظ اسے اس نقصان کے سامنے بہت چھوٹا نظر آرہا تھا۔ جو مریم نے اٹھایا تھا۔ مریم کے گلے لگ کر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سسک اٹھی۔ خود مریم کا بھی یہی حال تھا۔ بہ مشکل سائرہ نے ان دونوں کو الگ کیا۔

"سب کچھ ختم ہوگیا امثال۔ مجھے تو یوں لگتا ہے کسی نے مجھے جلتی دھوپ میں لا کھڑا کیا ہو۔"

"مگر یہ سب کیسے ہوا؟"

"ولید جس پلین سے آرہے تھے وہ...... کریش......"

وہ اس سے آگے نہ بول پائی۔ حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا پھنس گیا تھا۔

"صبر کرو مریم خدا اسی طرح اپنے نیک بندوں کا امتحان لیتا ہے۔"

"آخر کیوں؟ صرف میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا؟"

"اللہ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ تم خدا سے دعا کیا کرو کہ ولید کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔"

"میں کیا کروں امثال۔ میں جینا نہیں چاہتی۔ جینے کی کوئی وجہ بھی تو ہو۔"

"تمہارے جینے کی اتنی بڑی وجہ تو تمہارے سامنے

ہے۔" امثال کے کہنے پر وہ ناسمجھی کے سے انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔ "ہاں مریم تمہارا بچہ۔ تمہیں اس کے لیے جینا ہے۔ تمہارے ولید کی نشانی' تمہیں اسے پروان چڑھانا ہے۔ خدا جب کوئی چیز لیتا ہے تو اس کے بدلے میں کچھ نہ کچھ عطا بھی کرتا ہے۔ مانا کہ ولید کی کمی کوئی پوری نہیں کرسکتا مگر تم اپنے اردگرد دیکھو۔ کتنے لوگ تمہیں چاہتے ہیں۔ تمہارا اتنا خیال رکھتے ہیں۔ ان کی خاطر زندگی کی طرف لوٹ آؤ۔"

"امثال! تم بالکل شاہ زر کی طرح باتیں کرتی ہو۔" مریم کے کہنے پر امثال کے دل کی دھڑکن نے اپنی لے بدلی تھی۔ "وہ بھی اسی طرح مجھے سمجھاتا رہتا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے تم دونوں نے مل کر ایک ہی سبق کو رٹا لگا رکھا ہے۔" وہ دھیرے سے ہنسی تھی۔ امثال یکدم چپ سی ہو گئی تھی۔

"جو محبت کرتے ہیں وہ اسی طرح اپنوں کے دکھوں کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔" چند لمحوں بعد امثال گویا ہوئی تھی۔

"تم اپنی سناؤ۔ تمہارے اینگری ینگ مین کا کیا حال ہے؟" مریم نے ماحول پر چھائی کثافت کو کم کرنا چاہا۔

"چھوڑو یہاں بھلا اس کا کیا ذکر۔" وہ پھیکی پڑ گئی تھی۔

"امثال! تم نے کبھی اس کا نام نہیں بتایا۔ کتنی حیرانی کی بات ہے نا کہ ہم اس کی کتنی باتیں کرتے ہیں مگر میں نے کبھی اس کا نام جاننے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی اور نہ تم نے کبھی بتایا۔"

"رہنے دو نام جان کر کیا کرو گی۔"

"بھئی عموماً نام لوگوں کی پرسنالٹی سے میچ کرتے ہیں۔ بعض اوقات محض نام سے ہی کسی کی شخصیت کا پتا چل جاتا ہے۔"

"تو پھر تم خود ہی اندازہ لگا لو کہ اس کا نام کیا ہوگا۔" وہ تجاہل عارفانہ برتنے لگی۔ جانے کیوں وہ مریم کو شاہ زر کے بارے میں نہیں بتانا چاہتی تھی اور خاص طور پر یہ حقیقت جاننے کے بعد کہ شاہ زر جس لڑکی سے محبت کرتا ہے وہ کوئی اور نہیں مریم ہے۔

"چنگیز خان یا پھر تلوار خان۔ میرے خیال میں کچھ اسی قسم کا نام ہوگا اس کا۔" مریم کے بے ساختہ کہنے پر امثال کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"ویری ویل سیڈ۔ یو آر جینئس۔" وہ دونوں مسکرا رہی تھیں اور باہر کھڑا شاہ زر جو پچھلے تین منٹ سے وہاں موجود تھا کچھ الجھ سا گیا۔ "تو کیا امثال فیروز مریم سے سب کچھ شیئر کرچکی ہے۔" وہ الٹے قدموں واپس لوٹ گیا۔

امثال دو دن وہاں رہی اور ان دو دنوں میں سب نے محسوس کیا کہ مریم پہلے سے کافی بہتر نظر آ رہی تھی۔ وہ امثال کے ساتھ اپنے روٹین چیک اپ کے لیے بھی گئی تھی۔ امثال کے آنے سے کم از کم اتنا ضرور ہوا تھا کہ وہ ہنسنے بولنے لگی تھی۔ جانے سے پہلے وہ عائشہ پھوپو سے ملنے ان کی طرف گئی تھی۔ منظر خاصا گھریلو سا تھا۔ عائشہ پھوپو برآمدے میں بچھے تخت پر بیٹھی تھیں اور نیچے شاہ زر بیٹھا ان سے اپنے سر میں تیل سے مساج کروا رہا تھا۔ وہ اس وقت بالکل بے تکلف سے حلیے میں تھا۔ بادامی رنگ کی قمیص شلوار پہن رکھی تھی۔ قمیص کے بازو فولڈ کر رکھے تھے اور گریبان کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ وہ آنکھیں موندے خاصا پرسکون دکھائی دے رہا تھا۔

"السلام علیکم آنٹی۔" امثال کی آواز پر اس نے پٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔

"وعلیکم السلام جیتی رہو۔" شاہ زر اتنے میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ گریبان کے بٹن بند کرتے ہوئے ایک نگاہ غلط اس پر ڈالی۔ وہ جانے کیوں خفت محسوس کرنے لگی۔

"شاید میں غلط وقت پر آ گئی۔ موصوف کے آرام میں خلل پڑ گیا ہے۔" دل ہی دل میں سوچا۔

"امثال! کھڑی کیوں ہو۔ آؤ بیٹھو۔" عائشہ نے اپنے برابر تخت پر اس کے لیے جگہ بنائی۔ وہ مسکراتے ہوئے بیٹھ گئی۔ "شاہ زر تم کہاں چلے۔" عائشہ نے بے اختیار اسے ٹوکا۔

"امی! میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔" لہجہ بے حد سنجیدہ تھا۔ امثال کو اپنی شدید بکی کا احساس ہوا۔

"اچھا رضیہ سے بولو چائے بنائے اور ساتھ میں کچھ

digest.library.com

اما نے کو بھی......"

"نہیں آنٹی پلیز ان تکلفات میں مت پڑیں۔" اس نے فوراً کہا۔ شاہ زر وہاں سے جاچکا تھا۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اپنی بچی کو بنا کچھ کھائے پیے رخصت کردوں۔" عائشہ کے انداز میں بڑی خاص ابت تھی۔ "ماں واری صدقے ہورہی ہے اور بیٹے صاحب کے مزاج ہی نہیں ملتے۔" وہ سوچ کر رہ گئی۔

"آپ سے ملنے آئی ہوں۔ کچھ دیر بعد کی فلائٹ ہے میری۔"

"اتنی جلدی جارہی ہو۔ کچھ دن تو رکتیں۔"

"آنٹی دراصل پاپا کے ساتھ آفس جانا ہوتا ہے۔ اس لیے ناغہ نہیں کرسکتی۔" وہ ذرا کی ذرا رکی۔ "ولید کا سنا تو مریم سے ملے بغیر نہ رہ سکی۔ اس لیے چلی آئی۔"

"بس بیٹا سب اوپر والے کی مرضی ہے۔" عائشہ نے ا‌ ‌ردلی سے سرد آہ بھری۔ "چند ماہ کی رفاقت کے بعد ‌ولی کا دکھ سہنا آسان نہیں ہوتا۔ مریم کو دیکھتی ہوں تو ‌لیجہ منہ کو آتا ہے۔ ابھی تو اس کے آگے پہاڑ سی زندگی ‌ڑی ہے۔" امثال خاموش بیٹھی سنتی رہی اتنے میں ملازمہ چائے اور دیگر لوازمات لے کر آگئی۔ چائے کے ‌عد بھی وہ کافی دیر عائشہ کے ساتھ بیٹھی رہی۔ مغرب کے ‌وقت وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا آنٹی اب اجازت۔"

"جیتی رہو۔" عائشہ نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"اپنے والد صاحب کو میرا اسلام دینا۔ انشاء اللہ جلد ‌ہی ان کے پاس آئیں گے ہم۔" معنی خیز بات پر امثال ‌ہنوز جانے کیوں مسکرا بھی نہ سکی۔ شاید اسے اب اپنی ‌تقدیر پر یقین نہیں رہا تھا۔ اسی لمحے شاہ زر اندر داخل ہوا ‌تھا۔ نہا دھو کر نک سک سے تیار خوشبوؤں میں بسا وہ بے ‌حد وجیہہ لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر موجود تاثرات ‌سے لگ رہا تھا کہ وہ عائشہ کی آخری بات سن چکا ہے۔ ‌ایک لمحے کو نظریں ملیں۔ جانے کیوں شاہ زر کو اس کی ‌آنکھوں میں گہری یاسیت کا رنگ نظر آیا۔

"شاہ زر! کہیں جارہے ہو کیا؟" عائشہ نے دریافت کیا۔

"جی امی ایئرپورٹ جارہا ہوں۔ میرا دوست آرہا ہے اسے ریسیو کرنا ہے۔"

"چلو یہ تو بہت اچھا ہوا۔ تم بھی اسی طرف جارہے ہو۔ امثال کو بھی ساتھ لے جاؤ۔" ماں کے کہنے پر شاہ زر استفہامیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ "کچھ دیر بعد اس کی بھی واپسی کی فلائٹ ہے۔" عائشہ نے وضاحت کی۔

"نن...... نہیں آنٹی رہنے دیجیے میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" اس نے تجاہل برتا۔

"شاید ڈرائیور زیادہ قابل اعتبار ہے۔" شاہ زر نے لب کشائی کی۔ اس کے منہ سے بالکل غیر متوقع بات سن کر امثال کو خاصی حیرانی ہوئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی شاہ زر فون کی طرف بڑھ گیا تھا اور پھر کچھ ہی دیر بعد سب سے ملنے کے بعد وہ شاہ زر کے ہمراہ ایئرپورٹ جارہی تھی۔ دونوں طرف مکمل خاموشی تھی۔

"میں کچھ دنوں سے آپ سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔" شاہ زر کے کہنے پر وہ پوری کی پوری اس کی طرف گھوم گئی۔

"فرمائیے۔"

"لاسٹ ٹائم آپ نے ایک بات کہی تھی۔ میں اس کا پس منظر جاننا چاہتا ہوں۔"

"کون سی بات؟"

"آپ کی اس بات نے مجھے کچھ الجھا سا دیا تھا۔" وہ ایک سیکنڈ کے لیے رکا۔ "آپ نے کہا تھا کہ میں یک طرفہ محبت کے درد سے بخوبی واقف ہوں۔ میں دراصل یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ......"

"کہ مجھے آپ کی یک طرفہ محبت کے بارے میں کیسے علم ہوا؟" امثال نے اس کی بات اچک لی۔ "شاہ زر گردیزی آپ لاکھ مجھ سے دور سہی مگر آپ کے بارے میں میں بہت کچھ جانتی ہوں۔"

"مثلاً؟"

"آپ اسی سے اندازہ لگالیں کہ جب میں آپ کی زندگی کے اتنے اہم راز سے واقف ہوں تو اور بھی بہت کچھ جانتی ہوں گی۔" وہ دھیرے سے مسکرائی تھی۔ بالکل

ناقابلِ فہم سی مسکراہٹ تھی۔ شاہ زر کچھ سمجھ نہیں سکا تھا۔

"پھر تو آپ یہ بھی جانتی ہوں گی کہ میں کس سے محبت کرتا ہوں۔"

"کاش میں بے خبر رہ سکتی۔ بے خبری بھی کتنی بڑی نعمت ہوتی ہے ناں۔" وہ ہلکے سے بڑبڑائی مگر شاہ زر نے سن لیا۔

"اور پھر بھی آپ ایک بٹے ہوئے شخص کی رفاقت پانا چاہتی ہیں۔"

"جانتے ہیں شاہ زر۔ آپ کی محبت امر بیل کی طرح مجھ سے لپٹ گئی ہے۔ میں چاہتے ہوئے بھی اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکتی۔ میرے لیے اتنا ہی بہت ہے کہ میں....." وہ یکدم کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔ فطری حیاء آڑے آ گئی۔ بولتے بولتے اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کیا کہنے جا رہی تھی۔

digest library.com ❤❤

"امی آپ کو پسند کر چکی ہیں۔"

"اور آپ؟" بے ساختہ منہ سے نکلا تھا۔

"مجھے اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مریم نہیں تو کوئی بھی ہو۔ کیا فرق پڑتا ہے۔" اس سے امثال فیروز کو اس کا لہجہ بے حد سفاک لگا۔ اسے تو دل رکھنا بھی نہیں آتا تھا۔ وہ رخ موڑ گئی۔ اسے اپنے آنسو دل پر گرتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔ "تو گویا اس کی نظر میں میری ذرا سی بھی وقعت نہیں اور یہ میں ہوں کہ اس کی محبت میں مری جا رہی ہوں۔ یا اللہ کیسی انوکھی راہ پر لا کھڑا کیا ہے مجھے یہ شخص جو مجھے سارے جہان سے بڑھ کر عزیز ہے ہر بار میری عزت نفس کو اپنے پیروں تلے روند دیتا ہے اور پتا نہیں میں اتنی بے بس کیوں ہوں کہ جواب میں اسے کچھ بھی نہیں کہہ سکتی۔ شاید اسے پانے سے پہلے ہی کھونا نہیں چاہتی۔" جھٹکے سے گاڑی رکی تھی اور اس کی سوچیں بھی۔

"لیجیے آپ کی منزل آ گئی۔"

"یہ میری منزل نہیں منزل پر پہنچنے والے راستے میں موجود محض ایک اسٹیشن ہے۔ مجھے خوشی ہوگی جب واقعی آپ مجھے میری منزل تک پہنچائیں گے۔" بات ذو معنی تھی۔ اپنا بیگ لیے وہ ٹرمینل کی طرف بڑھ گئی۔ آج پہلی بار شاہ زر کے دل میں اس کے لیے گداز پیدا ہوا تھا۔ دل میں یہ احساس جاگزیں ہوا کہ یہ لڑکی امثال فیروز اتنی بری نہیں تھی۔ جتنا وہ اسے سمجھتا تھا۔ لبوں پر دھیما سا تبسم بکھر کر معدوم ہو گیا۔ کہتے ہیں کسی کو سچے دل سے چاہا جائے تو رسپونس ضرور ملتا ہے۔ شاید امثال فیروز کی دعائیں مستجاب ہونے لگی تھیں۔

○☆○

پورے نو ماہ جس بچے کو اپنی کوکھ میں رکھا تھا۔ آج اسے گود میں لیے وہ بری طرح رو رہی تھی۔ یہ ایسا نازک موقع تھا جب سب کو ولید کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہوئی تھی۔ سب ایک دوسرے سے چھپ چھپ کر آنسو بہا رہے تھے۔

"میرے ولید کی نشانی۔" سب سے پہلے بچے کو گود میں لیے منزہ بیگم رو پڑی تھیں۔

"کتنا بدنصیب ہے میرا بچہ۔ اس دنیا میں آنے سے قبل ہی باپ کی شفقت سے محروم ہو گیا۔" چھوٹے سے بچے کو سینے سے بھینچے وہ سوچ رہی تھی۔

"تم کیوں چلے گئے ولید۔ تم نے تو آخری سانس تک ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ کتنے بڑے دھوکے باز نکلے۔ تم.....تم نے تو بے وفائی کی حد کر دی۔" وہ اس وقت اسپتال کے کمرے میں تنہا تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی سب لوگ گھر گئے تھے۔ اس کے پاس ثانیہ بیگم رکی تھیں۔ وہ سب کے جانے کے بعد کھل کر روئی تھی۔ ثانیہ واش روم میں تھیں۔ بچہ بے تحاشہ رو رہا تھا مگر وہ جانے کس دنیا میں پہنچی ہوئی تھی۔ اسے رونے کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ تبھی شاہ زر اندر داخل ہوا۔ لپک کر بچے کو اٹھایا اور اسے چپ کرانے کی کوشش کرنے لگا۔

"مریم مریم۔" دو بار پکارا۔ وہ چونک کر متوجہ ہوئی۔ دائیں ہاتھ سے آنسو پونچھے۔

"آپ کب آئے؟"

"ابھی اسے سنبھالو بھئی۔ بہت رو رہا ہے۔ مجھ سے تو نہیں بہل رہا۔" شاہ زر نے بچہ اسے تھمایا۔ مریم کی گود میں جاتے ہی وہ خاموش ہو گیا۔

"حیرت ہے چند گھنٹوں کا بچہ ماں کے لمس سے اس

اور واقف ہے۔" وہ مسکرایا۔

"کیوں نہ ہو۔ نو ماہ جس ماں کی کوکھ میں رہا ہے۔ کیا اسے بھی نہ پہچانتا ہوگا۔" ثانیہ اس کی بات سنتے ہوئے واش روم سے نکلی تھیں۔ "کہا جاتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں ہی بچہ ماں کی آواز سے واقف ہو جاتا ہے۔"

"میں آپ کو لینے آیا ہوں۔ غالباً آج ہی ڈسچارج ہونے کی ڈیٹ ہے۔"

"ہاں سامان تو میں نے سارا پیک کر دیا ہے۔ ڈسچارج سلپ بنوانی ہے۔" ثانیہ نے کہا۔

"وہ میں بنوا چکا ہوں۔ مجھے سامان دیجیے میں گاڑی میں رکھوا تا ہوں۔" وہ سامان لے کر گاڑی میں رکھنے گیا۔ واپس آیا تو مریم بچے کو گود میں لیے بیٹھی تھی۔

"ممانی کہاں ہیں؟" ثانیہ بیگم کو نہ پا کر اس نے پوچھا۔

"وہ ساتھ والے کمرے تک گئی ہیں۔ ان کی دوست بھی ایڈمٹ ہے۔" اسی لمحے نرس اندر داخل ہوئی۔ ملنسار اور خوش اخلاق سی نرس تھی۔ مریم سے بہت اچھی طرح پیش آئی تھی۔ اس کا نام نادیہ تھا۔

"بس تیاری کر لی۔" جواب میں مریم ہولے سے مسکرائی۔

"یہ چھوٹو تو ماشاء اللہ بہت کیوٹ ہے۔" سسٹر نادیہ نے مریم کی گود سے بچے کو لے لیا۔ "اپنے پاپا سے زیادہ ہینڈسم ہوگا۔" اس نے شاہ زر کی طرف دیکھتے ہوئے مسکراہٹ پاس کی۔ مریم اور شاہ زر دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ شاہ زر نظروں کا زاویہ بدل گیا۔

"ویسے مریم آپ کے ہسبینڈ بہت کیئرنگ ہیں۔ پچھلے دو دن سے مسلسل یہاں ہیں۔ آئی وش کہ ہر لڑکی کو ایسا ہی لائف پارٹنر ملے۔" وہ روانی میں بولے چلی جا رہی تھی۔

"یہ...... میرے شوہر نہیں ہیں۔" مریم نے گھبرا کر تردید کی تھی۔

"اوہ آئی ایم سوری۔ دو دن سے یہ یہاں بھاگ دوڑ کر رہے تھے تو میں سمجھی کہ......" وہ معذرت کرنے لگی۔

"اٹس او کے شاہ زر! آپ ممی کو بلائیے پلیز۔" گھر پہنچی تو سبھی جمع ہو گئے۔

"میں اس کا نام رکھوں گی۔" مائرہ ضد کرنے لگی تھی۔

"جی نہیں میں ماموں ہوں۔ اس لیے میں اس کا نام رکھوں گا۔" فہد نے اس کی بات قطع کی۔

"منہ دھو رکھو۔ تم اتنی اہم شخصیت نہیں ہو کہ تمہارا منتخب کردہ نام رکھا جائے۔" مائرہ نے چڑایا۔

"اور آپ تو جیسے کرسیٔ صدارت پر براجمان ہیں۔" فہد نے بدلا چکایا۔

"اس کا نام میں رکھوں گا۔" حماد کی آواز پر سب نے چونک کر دیکھا تھا۔ اسے اس طرح اچانک دیکھ کر سب حیرت زدہ رہ گئے۔ وہ انگلینڈ جانے کے بعد پہلی بار پاکستان آیا تھا۔ ولید کے انتقال کی خبر پر وہ چاہتے ہوئے بھی نہیں آ سکا تھا اور آج جب کہ ولید کو گزرے آٹھ نو ماہ ہو گئے تھے۔ وہ ان سب کے بیچ تھا۔ تنہائی میں ولید کو یاد کر کے وہ کتنی بار رو چکا تھا۔ اپنے آنے کی اطلاع کسی کو بھی نہ دی تھی۔ مریم کا سامنا کرنے کے لیے خود کو مضبوط کیا تھا۔

"ارے حماد بھائی۔" فہد چہکا۔

"کب آئے؟"

"آنے سے پہلے مطلع کیوں نہ کیا؟"

"ہم ایئر پورٹ سے ریسیو کر لیتے۔" دھڑا دھڑ سوال پوچھے جا رہے تھے۔

"سرپرائز!" وہ دھیرے سے ہنسا۔ مریم کو دیکھ کر وہ خود پر سے اختیار کھونے لگا تھا۔ آنکھیں لبریز ہو گئیں۔ سب سے مل کر وہ مریم کے پاس آ بیٹھا۔

"کیسی ہو مریم؟" جواب میں مریم نے دردزیدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ نگاہیں چرا گیا۔

"ارے یہ چھوٹو تو بالکل تم پر گیا ہے۔" اس نے بچے کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

"مگر مجھے تو یہ ولید جیسا......" باقی کے الفاظ حلق میں رہ گئے۔ حماد نے کھینچ کر اسے سینے سے لگا لیا۔ خود پر ضبط کرتے کرتے وہ تھک گیا تھا۔ بڑی مشکل سے دونوں کو چپ کروایا گیا۔ حماد پندرہ دن کی چھٹیاں لے کر آیا تھا اور

یہ پندرہ دن پر لگا کر اڑ گئے۔ جاتے جاتے وہ سب کے ذہنوں میں نئی سوچ ڈال گیا۔ پہلے ماں سے بات کی پھر دادا جان سے۔ مریم کے آگے پہاڑ سی زندگی پڑی تھی اور ظاہر ہے وہ تنہا یہ زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔ اس لیے وہ چاہتا تھا کہ مریم کی شادی کر دی جائے۔ حسن رضا فوراً اس سے متفق ہو گئے تھے۔ اس نے یہ بات سائرہ سے کہی تو وہ چند لمحوں کو خاموش رہ گئی۔ پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ بھائی کی جدائی کا زخم پھر سے ہرا ہو گیا تھا۔ مگر مریم سے بھی تو اس کی بے پناہ دوستی تھی اور وہ بھی دل سے چاہتی تھی کہ مریم کی زندگی پھر سے خوشیوں کی ڈگر پر چل پڑے۔ ثانیہ بیگم کے کہنے پر حسن رضا نے فی الحال اس بات کو یہیں رہنے دیا۔ ولید کی پہلی برسی میں چند ماہ رہ گئے تھے اور ثانیہ چاہتی تھیں کہ اس کے بعد ہی وہ مریم سے بات کریں۔

digest library.com ❤❤

○☆○

اسے یہاں بیٹھے ہوئے دو گھنٹے ہو گئے تھے۔ شام ڈھل رہی تھی۔ رفتہ رفتہ رش کم ہو رہا تھا۔ دسمبر کی یہ سرد شام بے حد اداس تھی۔ دور افق کے پار نیلگوں سمندر میں ڈوبتا اداس سورج خاموشی کے رنگوں میں رنگا تھا۔ گہرا نارنجی اور زرد رنگ مدغم ہو رہا تھا۔ ساحل پر ہوا خاصی تیز ہو گئی تھی۔ سمندر کی لہروں پر سرکشی طاری تھی۔ وہ جس پتھر پر بیٹھی تھی لہریں وہاں تک پہنچ رہی تھیں۔ اس کے پیروں کو بھگو کر واپس لوٹ جاتیں۔ ہوا تیز ہو گئی تھی۔ جسم سے سرد ہوا ٹکراتی تو کپکپی سی طاری ہو جاتی۔ مگر وہ ہر طرف سے بے نیاز بیٹھی تھی۔ شام کے ہولناک سائے بھی اسے خوفزدہ کرنے میں ناکام رہے تھے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ وہاں کیوں بیٹھی تھی۔ کس کا انتظار کر رہی تھی۔ عجب خالی الذہنی کی سی کیفیت تھی۔ اس کی سوچیں جامد ہو چکی تھیں۔ گھر میں بیٹھے بیٹھے بور ہونے لگی تھی۔ فیروز ہاشم دو دن پہلے ہی فرانس گئے تھے۔ شاید کوئی بزنس ٹور تھا۔ اسے بھی ساتھ چلنے کو کہا مگر وہ منع کر گئی۔ اکیلے گھر میں جی گھبرایا تو گاڑی لے کر نکل پڑی اور بنا منزل کا تعین کیے گاڑی سڑک پر ڈال دی۔ یونہی راستوں پر سے گزرتے ہوئے وہ جانے کیسے ساحل سمندر تک پہنچ گئی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ یہاں کیوں اور کیسے آ تھی۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ یوں بھاری پڑ جائے گا۔ ا تو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ وہ صحیح معنوں میں عشق روگ لگا بیٹھی تھی۔ بچپن سے لے کر اب تک اس نے چاہا حاصل کیا۔ اس کے منہ سے نکلنے والی ہر بات لمحو میں پوری کر دی گئی۔ لاشعوری طور پر وہ شاہ زر گردیزی کے گریز اور عدم دلچسپی سے بری طرح ہرٹ ہو گئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ اس نے کسی کو بے حساب چاہا تھا اور وہ اسے نہیں ملا تھا۔

"امثال!" اسے لگا شاہ زر گردیزی اسے پکار ہے۔ ایک لمحے کو وہ چونکی۔ پھر اپنا وہم قرار دے کر جھٹک دیا۔

"امثال!" دوبارہ پکارا گیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا گہری ہوتی شام میں ایک ہیولا سا دکھائی دیا جو اسے پکار رہا تھا۔ وہ ایک دم خوفزدہ ہو گئی۔ جانے وہ کون تھا۔ ڈر کر پیچھے کی طرف ہٹی۔ توازن بگڑ گیا اور تیز و تند لہر اسے دبوچ لیا۔

"شاہ زر۔" اس کے منہ سے نکلنے والی چیخوں صرف ایک ہی نام نمایاں تھا۔

"اوہ مائی گاڈ۔" وہ تقریباً دوڑ کر اس کی طرف گیا تھا۔

"امثال! امثال۔ آنکھیں کھولو۔" اس کا وجود بازو میں سنبھالتے ہوئے اس کے گال کو تھپکا۔ اس کی آنکھ بند ہو رہی تھیں۔

"شاہ زر مجھے بچا لو۔" آخری الفاظ یہی تھے۔ جو کے لبوں سے ادا ہوئے تھے۔ ہوش آیا تو خود کو اپنے روم میں پایا۔

"شکر ہے خدا کا۔ تمہیں ہوش آ گیا۔" نسوانی آوا وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ عائشہ پھوپو کو دیکھ کر وہ خا حیران ہوئی تھی۔ حیرت کا دوسرا بڑا جھٹکا ان کے کھڑے شاہ زر گردیزی کو دیکھ کر لگا تھا۔ اس کی آنکھ میں تفکر تیرتا نظر آیا یا شاید امثال کو ایسا لگا تھا۔

"ارے آنٹی آپ۔" اس نے اٹھنا چاہا۔

"لیٹی رہو میری جان۔" عائشہ نے پیار سے اس سر تھپکا۔

"مم...... مجھے کیا ہوا تھا؟"

"تم بے ہوش ہوگئی تھیں۔" عائشہ نے بتایا۔ "شاہ زر تمہیں لایا تھا۔"

"مگر...... میں تو......"

"تم ذہن پر زیادہ بوجھ نہ ڈالو۔ میں تمہارے لیے جوس لائی ہوں۔" عائشہ اٹھ کر چلی گئیں۔ امثال اور شاہ زر تنہا رہ گئے۔

"اب کیسا فیل کر رہی ہیں آپ؟" جامد خاموشی کو شاہ زر نے توڑا۔

"بہتر ہوں۔" وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"ایک بات کہوں امثال؟"

"جی۔"

"زندگی کے کسی بھی معاملے میں اتنا شدت پسند نہیں ہونا چاہیے کہ......"

"میں صرف ایک ہی معاملے میں شدت پسند ہوں۔" امثال نے اس کی بات قطع کی۔ شاہ زر لب بھینچے اسے دیکھ کر رہ گیا۔ وہ بے ساختہ نظریں جھکا گئی۔

"چلتا ہوں۔ آپ ریسٹ کریں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایک بات اور......"

جاتے جاتے پلٹا۔ وہ دوپٹہ ٹھیک کر رہی تھی۔ رک کر اسے دیکھنے لگی۔ "اب آپ کو یوں تنہا ساحل سمندر پر بیٹھنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔" وہ استفہامیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ "اس بار امی میرا پرپوزل لے کر یہاں آئی ہیں۔"

دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر بکھر کر معدوم ہوگئی۔ وہ یہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔ امثال جہاں تھی وہیں تھم کر رہ گئی۔ یہ کیا کہہ گیا تھا وہ۔ وہ تو جینے کی نوید سنا گیا تھا۔ بہاروں کا پیام لایا تھا یا زندگی کو دھنک رنگوں سے سجا گیا تھا۔ یوں لگا جیسے جلتے ارمانوں پر پھوار پڑ رہی ہو۔ زندگی سے بھرپور مسکراہٹ لبوں پر بکھر گئی۔ وہ خود کو تر و تازہ محسوس کرنے لگی اور واش روم میں فریش ہونے کی غرض سے چلی گئی۔ فیروز ہاشم فرانس میں تھے۔ عائشہ تو باقاعدہ پرپوزل لے کر آئی تھیں مگر فیروز ہاشم سے ملاقات ہی نہ ہو پائی تھی۔ شاہ زر کسی کام سے کراچی جا رہا تھا تو عائشہ بھی ساتھ تیار ہوگئیں۔ وہ فیروز ہاشم کے کان میں بات ڈال دینا چاہتی تھیں۔ باقی کے معاملات تو ظاہر ہے حسن رضا اور دونوں بھائیوں نے ہی طے کرنے تھے۔ کراچی آنے کے دو دن بعد وہ امثال ولا پہنچے تو معلوم ہوا گھر پر کوئی نہ تھا۔ عائشہ وہیں بیٹھ کر امثال کے آنے کا انتظار کرنے لگیں۔ شاہ زر کو ایک دوست سے ملنا تھا۔ دوست سے مل کر یونہی اس نے گاڑی کا رخ سی سائیڈ کی طرف موڑ دیا۔ ارد گرد نگاہیں دوڑاتے اس کی نظر امثال فیروز پر پڑی تھی۔ اس کی طرف اس کی پشت تھی۔ وہ امثال کی جھلک ہی دیکھ پایا تھا۔ بلا ارادہ ہی وہ اسے پکار بیٹھا اور جس طرح سراسیمہ ہو کر وہ پلٹی تھی۔ وہ چونک سا گیا۔ شاید وہ ڈر گئی تھی۔ اس سے بھی زیادہ حیرت اسے تب ہوئی جب وہ تند و تیز لہروں سے نبرد آزما صرف اسے پکار رہی تھی۔ اس کے نیم بے ہوش وجود کو گاڑی میں ڈالا۔ اسی مدہوشی کے عالم میں اس کے لبوں سے نکلنے والے الفاظ شاہ زر کے دل پر چوٹ کرنے لگے۔ وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔ خدا سے شاہ زر گردیزی کی خوشیاں مانگ رہی تھی۔ کتنی عجیب بات تھی ناں کہ وہ شخص جس نے کبھی ایک لفظ بھی اپنائیت کا نہ بولا تھا۔ وہ اسی کی خوشیوں کی خواہاں تھی۔ وہ جس سے محبت کرتی تھی دل سے اس کی خوشیوں کی خواہاں تھی اور یہی لمحہ تھا۔ بس ایک لمحہ اور شاہ زر گردیزی کے دل نے فیصلہ صادر کر دیا تھا۔ شادی تو اسے کرنی ہی تھی۔ تو پھر امثال فیروز کیوں نہیں۔ محبت کا یہ سودا کچھ ایسا برا بھی نہ تھا۔ فیروز ہاشم کے آنے میں ابھی ایک ہفتہ تھا۔ اس لیے عائشہ اور شاہ زر واپس چلے آئے۔

"بہت جلد میں اپنی بیٹی کو اپنے گھر لے جاؤں گی۔ اپنا خیال رکھنا۔" جاتے سمے عائشہ نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔ امثال نے پل کے پل نظریں اٹھائیں۔ شاہ زر سے نظریں ملیں۔ دل عجب انداز میں دھڑک اٹھا۔ لبوں پر خود بہ خود میٹھی سی مسکان بکھر گئی۔ شاہ زر کے لبوں پر بھی دھیما سا تبسم بکھر گیا۔

○☆○

تم بن جیا جائے کیسے
کیسے جیا جائے تم بن

digest library.com

صدیوں سے لمبی ہیں راتیں
صدیوں سے لمبے ہوئے دن
آجاؤ لوٹ کر تم
یہ دل کہہ رہا ہے

کافی دیر سے وہ یہ نظم بار بار ریوائنڈ کر کے سن رہی تھی۔ دل قطرہ قطرہ پگھل کر آنسوؤں کے راستے بہہ رہا تھا۔ تنہا صائم سو رہا تھا۔

"ولید کہاں چلے گئے تم؟ تم نے تو ہمیشہ ساتھ نبھانے کا وعدہ کیا تھا۔ تم تو باوفا ہونے کے دعویدار تھے۔" وہ رو رہی تھی۔ جب سائرہ نے اندر قدم رکھا۔ مریم کو اس طرح روتے دیکھ کر اس کا دل خون کے آنسو رو دیا۔ ابھی چند دن پہلے تو ولید کی برسی تھی اور اس دن مریم سب کے سامنے تو ضبط کی تصویر بنی رہی تھی مگر سائرہ جانتی تھی کہ تنہائی ملتے ہی وہ کس قدر بے قابو ہو کر روئی تھی۔

"صائم سو گیا کیا؟" اس نے اچک کر مریم کے پہلو میں سوئے ہوئے صائم کو دیکھا۔

"ہاں ابھی کچھ دیر پہلے ہی....." مریم نے اپنے آنسو پونچھے۔

"مریم میں تم سے ایک ضروری بات کرنے آئی ہوں۔" سائرہ نے تمہید باندھی۔ دادا جان نے خاص طور پر اسے بلا کر یہ ذمہ داری سونپی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ مریم اور سائرہ میں بے پناہ دوستی تھی اور دادا جان نے جو کچھ کہا تھا وہ بھی تو یہی چاہتی تھی۔

"ہاں کہو۔"

"وہ..... مریم بات دراصل..... یہ ہے کہ....." وہ رکی۔

"کیا بات ہے سائرہ؟"

"ولید بھائی کو گزرے سال ہو گیا اور....."

"تم کیا جانو میرے لیے تو یہ ایک سال ایک صدی کے برابر ہے۔" لہجہ گلوگیر ہو گیا۔

"صائم ابھی چھوٹا ہے۔ جب بڑا ہوگا تو باپ کی کمی محسوس کرے گا اور تم..... تمہارے آگے تو پہاڑ سی زندگی پڑی ہے۔ تنہا زندگی گزارنا بے حد مشکل ہو جاتا ہے۔"

"یہ تو اب میرا نصیب ہے۔ مجھ سا بدقسمت تو خدا کرے کوئی نہ ہو۔"

"مریم ہم سب چاہتے ہیں کہ تمہاری شادی کر دی جائے۔"

"سائرہ! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" مریم پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔"

"تم جانتی ہو میں مر کر بھی ایسا نہیں کر سکتی۔ میرے لیے تو ایسا کچھ سوچنا بھی گناہ ہے۔"

"مگر مریم تنہا عورت کو سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"مجھے کسی کا سہارا نہیں چاہیے۔"

"مگر صائم کو تو اس کا باپ چاہیے۔"

"صائم کے لیے میں کافی ہوں۔ پھر کیا گارنٹی ہے کہ سوتیلا باپ اسے وہ محبت دے سکے گا جو ولید دیتے۔"

"دنیا میں اچھے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔"

"پلیز سائرہ میں اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔"

"مریم تم ٹھنڈے دل سے سوچو۔"

"مجھے کچھ نہیں سوچنا۔" مریم نے اس کی بات کاٹی۔ "میں ولید کی تھی، اس کی ہوں اور اسی کی رہوں گی۔"

"مریم! ولید بھائی اب اس دنیا میں نہیں رہے۔"

"میرے لیے ان کا نام ہی کافی ہے۔"

"یوں ساری زندگی کسی کے نام کے سہارے نہیں گزاری جا سکتی۔" سائرہ اسے قائل کرنے کی بھرپور سعی کر رہی تھی۔

"میں نے کہا نا مجھے دوسری شادی نہیں کرنی۔ پلیز اب تم جاؤ مجھے نیند آ رہی ہے۔" وہ بالکل بے مروت ہو گئی۔

ٹکا سا توڑ جواب دے کر کمبل اوڑھ کر لیٹ گئی۔ سائرہ تاسف میں گھری اٹھ کر باہر آ گئی۔ اس نے اس گفتگو کی تفصیل بڑوں کے گوش گزار کر دی۔ دوسرے دن ثانیہ اور عائشہ پھوپو اسے سمجھانے کے لیے آ گئیں۔

"آخر آپ لوگ مجھے میرے حال پر کیوں نہیں چھوڑ

دیتے۔ نہیں کرنی مجھے شادی۔" وہ چلا اٹھی۔
"اگر تم سے محبت نہ کرتے ہوتے تو ضرور تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیتے۔" ثانیہ بیگم رنجیدہ ہو گئیں۔
"دیکھو بیٹا ہم تمہارا بھلا چاہتے ہیں۔ ابھی تم جوان ہو۔ چھوٹے بچے کا ساتھ ہے۔ آگے پہاڑ سی زندگی پڑی ہے۔" عائشہ پھوپو نے رسان سے سمجھایا۔
"پہاڑ سی زندگی! یہ آپ سے کس نے کہا۔ اگر سب کے سامنے پہاڑ سی زندگی ہوتی ہے تو پھر ولید کا کیا قصور تھا۔ ان کے بارے میں کوئی جانتا تھا کہ وہ یوں اچانک ہمیں چھوڑ کر......" باقی کے الفاظ آنسوؤں میں دب کر رہ گئے۔ ثانیہ بیگم کا کلیجہ کٹنے لگا۔
"پھر بھی بیٹا تنہا عورت کو یہ معاشرہ جینے نہیں دیتا۔ مرد کا سہارا بہت ضروری ہوتا ہے۔"
میرے باپ بھائی بھی تو مرد ہیں۔ ان کا سہارا میرے لیے بہت ہے۔"
"کب تک بھائی کل کو اپنی اپنی زندگیوں میں مگن ہو جائیں گے۔ ماں باپ ہمیشہ ساتھ نہیں رہتے۔ تم آخر سمجھتی کیوں نہیں ہو مریم۔" ثانیہ نے جھلا کر کہا۔ مریم کی یہ ضد انہیں بالکل اچھی نہیں لگ رہی تھی۔
"پھوپو! میں کیا کروں میرا دل نہیں مانتا۔ میں ولید کی جگہ کسی اور کو نہیں دے سکتی۔" وہ عائشہ کی گود میں سر رکھ کر سسک اٹھی۔ عائشہ اس کا سر تھپکنے لگیں۔ چند دن اسی خاموشی میں گزر گئے۔ گھر کے بڑوں کے درمیان آج کل یہی موضوع زیر بحث تھا۔ مریم کو سمجھا سمجھا کر سب تھک گئے۔ حتیٰ کہ حیدر رضا اور منزہ بیگم نے بھی اسے بہت سمجھایا۔ حماد نے خاص طور پر لندن سے فون کر کے اس سے بات کی۔ اس سب کا یہ اثر ہوا کہ وہ شادی کے لیے مان تو گئی مگر اس شرط پر کہ وہ شخص سچے دل سے اس کے بیٹے کو اپنائے گا۔ وہ اسٹامپ پیپر پر یہ سب لکھوانا چاہتی تھی۔ اس کی یہ انوکھی منطق سب کے لیے نئی تھی۔ اس روز حسن رضا اس کے پاس خود چل کر آئے۔ مختلف دلائل دے کر اسے سمجھایا۔ وہ چپ چاپ سنتی رہی۔
"دادا جان! آپ سب کے کہنے پر میں شادی کر تو لوں گی مگر آپ جانتے ہیں میں یہ شادی اپنے لیے نہیں اپنے بچے کے لیے کر رہی ہوں۔ اس لیے میں اپنے بچے کا مکمل قانونی تحفظ چاہتی ہوں۔"
"یہی شرط ہے نا تمہاری کہ تمہارے بیٹے کو خلوص دل سے چاہنے والا باپ ملے۔"
"جی۔"
"اور ایسا شخص موجود ہے۔"
"کون؟" وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔
"میں اس کے بارے میں سو فیصد یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ تمہارے بچے کو سگے باپ سے زیادہ پیار دے گا۔"
"اگر ایسا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" وہ سر جھکا گئی۔ آنسو دل پر گر رہے تھے۔ نگاہوں کے سامنے ولید کا چہرہ گھوم رہا تھا۔
"مجھے امید ہے تم شاہ زر کے ساتھ بہت خوش رہو گی۔ صائم رضا کے لیے وہ یقیناً اچھا باپ ثابت ہوگا۔"
"شاہ زر۔" وہ زیر لب بڑبڑائی اور چونک کر حسن رضا کی شکل دیکھنے لگی۔ وہ شاہ زر کی تعریفوں میں رطب اللسان تھے مگر مریم کے دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے۔

○☆○

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے امی؟" اس کی آواز حیرت سے معمور تھی۔
"یہ تمہارے نانا کا فیصلہ ہے۔"
"شروع سے انہی کے فیصلوں کی بھینٹ تو چڑھتے رہے ہیں ہم۔" وہ جھلا کر رہ گیا۔
"تمیز سے بات کرو شاہ زر۔ وہ بڑے ہیں اور ہمیشہ ہمارے بھلے کے لیے سوچتے ہیں۔"
"امی صحیح فیصلہ کرنے کے لیے صحیح وقت کا تعین کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔"
"تمہیں مریم سے شادی پر اعتراض کیوں ہے؟"
"اعتراض نہیں امی۔ بات اصول کی ہے۔ آپ شاید بھول رہی ہیں کہ امثال فیروز سے بات کر چکی ہیں۔"
"تو کیا تم امثال سے......"

"جب نہیں کرنا چاہتا تھا تو آپ نے زبردستی قائل کیا۔ اب دل اس کی جانب مائل ہونے لگا ہے تو آپ اب زبردستی مجھے واپس موڑ رہی ہیں۔ زبان بھی کوئی چیز ہوتی ہے امی۔"

"امثال کو میں سمجھا لوں گی۔ اسے تو کوئی بھی اچھا لڑکا مل جائے گا مگر مریم...... خود سوچو بیٹا ایک بچے کی بیوہ ماں کو کون اپنائے گا۔ ایسے کڑے وقت میں اپنے ہی اپنوں کے زخموں پر مرہم لگاتے ہیں۔ میں اپنے باپ اور بھائیوں کی التجائیہ نگاہیں دیکھ کر انکار نہیں کر پائی۔"

"اور مریم! کیا وہ مان گئی؟" جانے کس امید کے تحت اس نے پوچھا تھا۔

"بڑی مشکل سے اسے راضی کیا ہے۔ وہ تو مان کے ہی نہیں دے رہی تھی۔"

"ٹھیک ہے امی۔ جیسے آپ کی مرضی۔" وہ بے دم سا ہو کر صوفے پر ڈھے گیا۔

"جیتے رہو میرے بچے۔ مجھے تم سے یہی امید تھی۔" پیار سے پیشانی پر بوسہ دیا اور سونے کی غرض سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ وہ اٹھ کر باہر لان میں چلا آیا۔ ماحول خاصا خنک ہو رہا تھا۔ جنوری کی سرد راتوں کی طرح یہ بھی ایک کہر آلود رات تھی۔ لان میں ٹہلتے ہوئے وہ تقدیر کے اس عجیب و غریب کھیل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ زندگی کا یہ ہیر پھیر اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ جسے دل سے چاہا' بے تحاشا محبت کی' تقدیر نے اس کا ساتھ کسی اور کے نصیب میں لکھ دیا۔ اگرچہ اب بھی وہ اس سے محبت کرتا تھا مگر ساتھ ہی ایک اور ہستی بھی ایسی تھی جو چپکے چپکے اس کے دل میں جگہ پا گئی تھی۔ اس کی ثابت قدمی نے اپنا اثر دکھا دیا تھا۔ وہ زبان سے پھرنے کا قائل نہ تھا۔ اب جب کہ وہ امثال فیروز کی آنکھوں میں سپنے سجانے کا وعدہ کر آیا تھا تقدیر اس کا امتحان لینے ایک بار پھر سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اس نازک سی لڑکی کا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا۔ مگر...... مگر وہ ایک بار پھر تقدیر کے ہاتھوں مجبور ہو گیا تھا۔ وہ شکستہ سا لان میں رکھی کین کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ مریم کو پانے کی خوشی سے زیادہ کسی کو آس کی ڈور تھما کر بیچ راستے میں چھوڑ دینے کا دکھ تھا۔ مریم کے ساتھ کا تمنائی تو وہ ہمیشہ سے تھا مگر اس طرح نہیں۔ نگاہوں کے سامنے بار بار امثال فیروز کا چہرہ گھوم جاتا۔ اگرچہ وہ امثال فیروز سے ویسی محبت نہیں کرتا تھا جیسی مریم سے کرتا تھا مگر پھر بھی وہ اسے پسند کرنے لگا تھا۔ کس قدر خوشگوار حیرت سے وہ اسے دیکھ رہی تھی جب اس نے اپنے ساتھ کا یقین بخشا تھا۔ وہ خوب صورت لمحہ نگاہوں میں قید ہو کر رہ گیا تھا۔ جانے ابھی اور کتنے امتحان باقی تھے۔ وہ ایک سرد آہ بھرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

○☆○

"ارے مریم تم کیسی ہو؟" امثال کی آواز پر مریم نے مڑ کر دیکھا۔

"امثال واٹ اے پلیزنٹ سرپرائز۔" دونوں بغل گیر ہو گئیں۔ "بڑے دنوں بعد چکر لگایا۔"

"ہاں پاپا فرانس گئے ہوئے تھے۔ مہینہ بھر رہ کر لوٹے ہیں۔

یہاں انہی کے ساتھ آئی ہوں۔ خالہ دادی کب سے بلا رہی تھیں ارے یہ......" اس کی نظر پرام میں لیٹے صائم پر پڑی تو چونک گئی۔

"میرا بیٹا صائم رضا۔"

"اف کتنا کیوٹ ہے نا۔" وہ جھک کر صائم کے پھولے پھولے گالوں کو چومنے لگی۔

"تم گھر تو آؤ گی نا؟"

"جی نہیں۔" کچھ سوچ کر آنکھیں چمکنے لگیں۔

"کیوں؟"

"کیونکہ اس وقت تم میرے ساتھ چل رہی ہو۔"

"نہیں امثال پھر کبھی۔ اس وقت تو میں فہد کے ساتھ چند ضروری چیزوں کی خریداری کے لیے آئی تھی۔"

"تو اگر مگر فہد کو بھیج دو۔ تم میرے ساتھ گھر چلو۔"

امثال کے اصرار پر اسے مانتے ہی بنی۔ فہد کو بھیج کر اس نے امثال کے ساتھ اپنی خریداری مکمل کی۔ امثال کی خالہ دادی کے گھر سب بہت اچھی طرح ملے۔ ویسے بھی وہ ندا کے حوالے سے رشتہ دار ہی تھے۔ ندا اور معیز تو کب کے ترکی جا چکے تھے۔

digest library.com

"لیجیے جناب گرما گرم کافی حاضر ہے۔" کافی اور دیگر لوازمات سے بھری ٹرالی لیے وہ اندر داخل ہوئی۔ "آج مابدولت نے اپنے ہاتھ سے خاص طور پر صرف تمہارے لیے کافی بنائی ہے۔ آئی ہوپ اچھی بنی ہوگی۔" اس نے کافی کا کپ اس کی طرف بڑھایا۔

"خیریت آج تم بہت خوش نظر آرہی ہو۔" مریم نے گہری نگاہوں سے اس کا چہرہ جانچا۔ اس کے چہرے پر ڈھیروں خوشیوں کا عکس تھا۔ پچھلے دنوں کی نسبت آج وہ بے حد فریش اور شوخ نظر آرہی تھی۔ وہ دھیرے سے ہنسی۔

"کیا بات ہے کوئی لاٹری نکل آئی ہے کیا؟"

"یہی سمجھ لو۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ مان گیا ہے مریم۔" اس کی آنکھوں کی چمک کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

"کون؟" ایک لمحے کو وہ کچھ نہ سمجھ سکی۔ امثال نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔

"بھول بھی گئیں۔"

"اوہ کیا واقعی یہ تو بڑی خوشی کی خبر ہے۔"

"مریم مجھے تو ابھی تک یقین ہی نہیں ہو رہا یوں لگتا جیسے میں کوئی سپنا دیکھ رہی ہوں۔"

"تو پھر کب شادیانے بجوا رہی ہو؟"

"جلد ہی اس کی امی کو بہت جلدی ہو رہی ہے۔"

"امی کا تو بہانہ ہے۔" مریم نے شرارت سے اسے دیکھا تو وہ مسکرا دی۔

"تم بھی نا مریم....."

"امثال خدا کرے تم ہمیشہ خوش رہو۔ میں دل سے تمہاری خوشیوں کی خواہاں ہوں۔"

"آئی نو تم جیسی پرخلوص دوست تو نصیبوں والوں کو ملتی ہے۔"

"امثال مجھے تم سے ایک مشورہ کرنا تھا۔"

"ہاں کہو۔"

"امثال سب گھر والے چاہتے ہیں کہ میں شادی کرلوں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔"

"مگر میں اپنے دل کو کیسے سمجھاؤں۔ میرا دل میرا ذہن کسی دوسرے شخص کو ولید کی جگہ دینے کو تیار ہی نہیں ہوتا۔"

"تمہاری بات ٹھیک ہے مریم مگر جینا تو ہے ناں اور اسی معاشرے میں جینا ہے۔ تنہا عورت مردوں کے اس معاشرے کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ ابھی تمہارا بچہ چھوٹا ہے۔ کل کو بڑا ہوگا تو باپ کی کمی محسوس کرے گا۔ اس کی خاطر ہی سہی تمہیں شادی کر لینی چاہیے۔"

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔" اس نے ایک گہری سانس خارج کی۔ "میں شاید دوسری شادی کے لیے کبھی راضی نہ ہوتی کیونکہ میں نہیں چاہتی تھی کہ میرے بچے کو سوتیلے باپ کا سوتیلا پن برداشت کرنا پڑے مگر گھر والوں نے جس شخص کو میرے لیے چنا ہے موہوم سی امید ہے کہ وہ صائم کو خلوص دل سے قبول کرے گا۔"

"یعنی تمہاری شادی کی بات طے ہو چکی ہے۔"

"ہاں۔"

"کون ہے؟"

"تم جانتی تو ہو اسے۔"

"کک.....کون؟" امثال کا دل جانے کیوں ڈوب سا گیا۔

"شاہ زر میری پھوپو کا بیٹا۔" اور امثال کو لگا پوری چھت اس کے سر پر آگری ہو۔ تقدیر اس طرح اسے آسمان سے زمین پر لا پٹخے گی۔ ایسا تو اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

"کیا ہوا امثال؟" اس کا دھواں دھواں چہرہ دیکھ کر مریم چونکی۔ آنکھوں کی جوت بجھ سی گئی تھی۔

"ہاں..... وہ..... بہت..... بہت اچھا فیصلہ ہے یہ۔" امثال نے بہ مشکل خود کو کمپوز کیا۔

"یہ تم اچانک....." اس سے پہلے کہ مریم کچھ کہتی صائم کے رونے کی آواز آئی۔

"ارے یہ ماسٹر جاگ گیا۔" لبوں پر پھیکی پھیکی سی ہنسی سجائے وہ اٹھ کر صائم کی طرف آگئی۔ جو بیڈ پر لیٹا تھا۔ صائم بہت رو رہا تھا۔ مریم کچھ دیر بیٹھ کر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد وہ کافی دیر شاک کی سی کیفیت

میں بیٹھی رہی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ یہ کیا ہو گیا تھا۔

"اب آپ کو یوں تنہا ساحل سمندر پر بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" کسی کا لہجہ سماعتوں میں رس گھولنے لگا تھا۔

"شاہ زر میری پھوپو کا بیٹا۔" دوسری آواز نے پہلی آواز کا گلا گھونٹ دیا تھا۔

"کسی نے سچ ہی کہا ہے شاہ زر گردیزی کہ مجبوری کے سودے کبھی بھی محبت نہیں بن سکتے۔ تو بالآخر تم نے اپنی محبت پالی۔" اک درد سا اٹھا تھا جو پورے جسم میں پھیلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

اس کو چاہا بہت مگر وہ ملا ہی نہیں
لاکھ کوشش کی مگر فاصلہ مٹا ہی نہیں
اس کو زمانے نے مجبور اس قدر کر دیا کہ وہ
میری کسی صدا پر ٹھہرا ہی نہیں
ہر ایک سے پوچھا سبب اس کے نہ ملنے کا
ہر ایک نے بتایا کہ وہ تیرے لیے بنا ہی نہیں
میں تمام تر کوششوں کے باوجود ہار گئی
اور وہ اسے مل گیا جس نے اسے مانگا ہی نہیں
اتنی شدت سے چاہا اسے اور وہ کسی اور کا ہو گیا
شاید اس جہاں میں وفا کا کوئی صلہ ہی نہیں

○☆○

"تم اپنے دل سے ہر وہم نکال دو۔ تمہارے ذہن میں جو خدشات ہیں ان سب کو ختم کر دو۔ میں تمہیں اور صائم کو خوش رکھنے کی بھرپور کوشش کروں گا۔"

"پھر بھی میں چاہتی ہوں کہ آپ ایک بار پھر سوچ لیں۔ ایک بچے کی ماں سے شادی......"

"پلیز مریم۔" شاہ زر نے اس کی بات قطع کی۔ "تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔ تم تو شاید آج تک مجھے سمجھ ہی نہیں پائیں۔" وہ کچھ دیر لب بھینچے کھڑا رہا۔ "میں تم سے کسی ہمدردی یا انسانیت کے ناتے نہیں بلکہ محبت کے رشتے کی وجہ سے شادی کر رہا ہوں۔" مریم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ "میں نہیں جانتا مجھے تم سے کب اور کیسے محبت ہوئی مگر میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"

یہ چھوٹی سی ملاقات شادی سے ایک ہفتہ قبل مریم کی خواہش پر طے کی گئی تھی۔ وہ جانے کیوں بے کل سی تھی۔ دوسری طرف شاہ زر کا حال بھی اس سے کچھ مختلف نہ تھا۔ ہمیشہ دعاؤں میں جسے مانگا تھا۔ جس کے ساتھ کی تمنا تھی۔ وہ آج اس کی ہونے جا رہی تھی مگر اس طرح اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ بلاشبہ وہ مریم سے بے محبت کرتا تھا مگر دل کے کسی کونے میں ایک عجیب احساس بھی کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ کسی کو آس کی ڈور کر راہ بدل لینے کا احساس۔ بالکل غیر محسوس طریقے امثال فیروز نے اپنی جگہ بنالی تھی۔ وہ اگر اس سے محبت نہیں کرتا تھا تو نفرت بھی نہیں کرتا تھا۔ "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ مریم کے ساتھ کی تمنا اتنی مہنگی ہوگی کہ ولید جیسے پرخلوص دوست کو کھونا پڑے گا تو میں خدا سے کبھی یہ دعا نہ مانگتا۔" ایک ہفتے بعد نکاح کی تقریب تھی۔ رات اس نے جاگ کر گزاری تھی۔ کبھی کبھی ہوتا ہے نا ایسے کہ آپ کسی چیز کے شدت سے تمنائی ہوتے ہیں۔ جب وہ مل جاتی ہے تو دل بجائے خوش ہونے کے الجھ سا جاتا ہے۔ کچھ ایسی ہی حالت اس وقت شاہ زر گردیزی کی بھی تھی۔

"تو یہ تھی تمہاری محبت شاہ زر گردیزی۔" آواز پر چونکا تھا۔ یہ تو اس کی اپنی آواز تھی۔ آئینے کی سطح پر ابھرا والا عکس بول رہا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب تو واضح ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"وہی جو تم سننا نہیں چاہتے۔"

"صاف بات کرو۔"

"سن سکو گے۔"

"ہاں۔"

"تو سنو تم نے کبھی مریم سے حقیقی محبت کی ہی نہیں"

"یہ غلط ہے۔"

"یہ سچ ہے۔"

"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"تمہارے دل کی حالت دیکھ کر۔"

"کیا ہوا ہے میرے دل کو؟"

"تم نے مریم سے بے پناہ محبت کی۔ اس کے قرب اور اس کے ساتھ کی دعائیں مانگیں اور اب جب کہ وہ تمہاری ہونے والی ہے تمہارا دل بھر گیا ہے۔ یہ کیسی محبت تمہاری۔"

"بات دل بھرنے کی نہیں ہے۔"

"تو پھر کیا بات ہے۔"

"مجھے لگتا ہے امثال فیروز کو آس دلا کر یوں چھوڑ دینا مناسب نہیں ہے۔ اس سے اچھا تو یہی تھا کہ وہ میری طرف سے خود ہی مایوس ہو کر دور ہٹ جاتی۔"

"اس کا مطلب ہے تم امثال فیروز سے محبت کرنے لگے ہو۔"

"محبت نہیں نہیں، میں اس سے محبت تو نہیں کرتا۔"

"تو پسند کرتے ہو؟"

"ہاں...... شاید۔"

"شاہ زر گردیزی، تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تم اپنی محبت کو حاصل کرنا چاہتے ہو اور کسی کا دل بھی نہیں توڑنا چاہتے۔ تم کنفیوژ ہو چکے ہو۔"

"پھر تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟"

"تمہیں دونوں میں سے ایک کو تو ہر حال میں چھوڑنا ہی ہوگا۔"

"جانتا ہوں۔"

"ایک محبت یا بہت سی محبتیں؟ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔" ایک جھماکے سے وہ عکس غائب ہو گیا تھا۔

"ایک محبت یا بہت سی محبتیں؟"

مریم نے امثال کو فون کیا تو پتا چلا وہ کراچی جا چکی ہے۔ کراچی والا نمبر اس کے پاس نہیں تھا۔ جب سے وہ امثال سے مل کر آئی تھی۔ ایک الجھن میں مبتلا تھی۔ کتنی مسرور تھی وہ۔ شاہ زر سے اپنی شادی کا ذکر کرتے ہی مریم نے اس کی آنکھوں کی بجھتی جوت کو بے حد محسوس کیا تھا۔ کتنا چہک رہی تھی وہ کس قدر خوش تھی کہ وہ شخص جس کے لیے وہ گزشتہ چھ برس سے تڑپ رہی تھی۔ بالآخر مان گیا تھا اور پھر اچانک مریم اور شاہ زر کی شادی کا سن کر......

"تو کیا شاہ زر ہی وہ شخص ہے جس سے امثال......"

ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ وہ بری طرح چونکی تھی۔

"جس کے لیے اتنا تیار ہوئی، اس نے تو دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔" ندا کی مہندی والے دن اس نے کہا تھا۔ یعنی وہ شخص بھی وہاں موجود تھا اور وہ شاہ زر تھا۔ اوہ میرے خدا۔

"اسے سنگدل مت کہو مریم۔ وہ تو محبت کرنے میں مجھ سے بھی آگے نکلا۔ اپنی محبت کی قربانی دینا آسان نہیں ہوتا۔"

"وہ کہتا ہے اسے مجھ سے محبت نہیں۔ وہ مجھ سے محبت کر ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ کسی اور سے محبت کرتا ہے۔" امثال کی باتیں ذہن کے ایوانوں میں گردش کرنے لگی تھیں۔

"اور تم نے بغیر کچھ کہے اپنی محبت کی قربانی دے دی۔ کیا ہو تم امثال فیروز۔" گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے وہ سوچ رہی تھی۔ "اور شاہ زر کیا وہ واقعی مجھ سے اتنی محبت کرتا ہے کہ گزشتہ چھ برس سے بے پناہ محبت کرنے والی لڑکی کو ٹھکراتا رہا۔ صرف میری وجہ سے اور اب جب کہ وہ مان گیا ہے تو میں پھر سے ان دونوں کے بیچ میں آ گئی۔ اوہ میرے خدا یہ کیا ہو رہا ہے۔ قسمت کا یہ کیسا ہیر پھیر ہے؟"

ساری رات وہ یہی سوچتی رہی تھی۔ اپنے خدشات سچ ہوتے ہوئے محسوس ہوئے جب اس نے عائشہ پھوپو اور ندا کی گفتگو سنی۔ ندا دو دن پہلے ہی ترکی سے لوٹی تھی۔ وہ خاص طور پر بھائی کی شادی میں شرکت کے لیے آئی تھی۔ عائشہ پھوپو اور ندا ویڈنگ ڈریس کی خریداری کے سلسلے میں مریم کو لینے آئی تھیں۔ دونوں کمرے میں تنہا تھیں اور باتوں باتوں میں ہی امثال فیروز کا ذکر آیا تھا۔ مریم نے ان کی یہ گفتگو سن لی تھی اور تب اسے شدت سے امثال فیروز کے غم کا احساس ہوا تھا۔ بڑی سوچ بچار کے بعد بالآخر وہ ایک فیصلے پر پہنچ گئی اور اس کا رخ اب حسن رضا کے کمرے کی طرف تھا۔

"مریم نے شادی سے انکار کر دیا۔" جس نے بھی سنا منہ میں انگلی دبا کر رہ گیا۔ اس نے جانے کس طرح حسن رضا سے بات کی تھی کہ وہ خود مریم کی بات مان گئے تھے۔ حسن رضا نے سب سے کہہ دیا تھا کہ مریم سے کچھ

digest.library.com

پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ عائشہ پھوپو کو افسوس نے آن گھیرا تھا۔ دوسری بار مریم ان کی بہو بنتے بنتے رہ گئی تھی۔ شاہ زر کی حالت بالکل ناقابل فہم سی تھی۔ اسے شاک لگا تھا۔ مریم کو اگر انکار ہی کرنا تھا تو وہ پہلے ہی کردیتی جب رشتے کی بات ہوئی تھی۔ اس طرح نکاح سے محض چھ دن پہلے انکار کرنا' آخر کوئی تو وجہ ہوگی اور یہی جاننے وہ مریم کے پاس جانا چاہتا تھا مگر وہ خود ہی آگئی۔

"شاہ زر! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" جواب میں وہ محض خاموش نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔

"آپ یقیناً جاننا چاہتے ہیں کہ میں نے انکار کیوں کیا۔ تو سنیں میرے انکار کی وجہ امثال فیروز ہے۔" مریم کے کہنے پر وہ چونکا۔

"میں جانتی ہوں کہ وہ آپ سے بے تحاشا محبت کرتی ہے۔ گزشتہ چھ برس سے وہ آپ سے محبت کررہی ہے اور آپ...... آپ نے کیا کیا' ایک نازک سی لڑکی کو آس دلا کر بیچ راہ میں راستہ بدل لیا۔ شاہ زر گردیزی کسی کے خوابوں کی کرچیوں پر محل تعمیر کرنے والے کبھی خوش نہیں رہتے۔"

"اور میں...... میں بھی تو تم سے محبت کرتا ہوں۔ میری محبت کا تمہیں احساس نہیں ہے۔"

"وہ بات اور ہے۔"

"نہیں بات ایک ہی ہے۔ اگر امثال مجھ سے محبت کرتی ہے تو میں بھی تو تم سے محبت کرتا ہوں۔"

"مرد اور عورت کی محبت میں بہت فرق ہوتا ہے۔"

"وہ کس طرح؟" تیکھے انداز سے اسے دیکھا۔

"مرد محبت کے حصول کے لیے اتنا ٹچی نہیں ہوتا جتنی کہ عورت ہوتی ہے۔ محبت کے نہ ملنے پر مرد تو جلد سنبھل جاتا ہے مگر عورت کے لیے سنبھلنا مشکل ہوجاتا ہے۔"

"مریم گردیزی۔ ایک مرد کے سینے میں بھی ویسا ہی دل ہوتا ہے کہ مرد اپنا دکھ اپنے اندر ہی پی جاتا ہے جب کہ عورت......" ایک لمحے کو وہ رکا۔ "محبت کا جذبہ بلا تفریق کے اثر کرتا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت پھر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ مرد کی محبت عورت کی محبت سے مختلف ہوتی ہے یا مرد محبت کرنا نہیں جانتا۔ آج سے چند برس پہلے تک میں بھی اس جذبے سے آشنا نہیں تھا مگر تم دیکھ کر تم سے مل کر مجھے احساس ہوا کہ محبت کا وجود بقا کے لیے کس قدر ضروری ہے۔ اس کائنات کی ہر محبت کے دھاگوں سے جڑی ہے۔ میں نے تم سے کی اور پھر اپنی ہی محبت کو اس کی محبت کی خاطر چھوڑ دیا کیا میرا محبت پر کوئی حق نہیں ہے۔ کیا میری قسمت محبت کا حصول نہیں ہے؟" وہ خاصا جذباتی ہو گیا مریم نے چند ثانیے رک کر اسے دیکھا۔

"یہی تو میں کہنا چاہ رہی ہوں۔ آپ خوش نصیب ہیں کہ آپ کو امثال فیروز کی بے مثال چاہت ملی۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی لڑکی اس طرح دیوانہ وار چاہے۔ مجھ سے شادی کر کے آپ کو وہ خوشیاں نہیں سکیں گی جو امثال فیروز آپ کو دے سکتی ہے۔ آپ سے محبت کرتے ہیں مگر میں آپ سے محبت نہیں کرتی نہ ہی کبھی کرسکتی ہوں۔ پہلے بھی گھر والوں کے فیصلے میں نے سر جھکایا تھا اور آج بھی میں نے گھر کے بڑوں کی بات مانی۔ میں پہلے بھی آپ سے محبت نہیں کرتی اور آج بھی نہیں کرتی۔ ولید میری زندگی میں آنے والے پہلے اور آخری مرد تھے۔ مان لیا میں آپ سے شادی بھی لوں مگر دل سے کبھی آپ کی نہ بن پاؤں گی۔ محبت حصول جسم نہیں دل کے حصول پر منحصر ہوتا ہے۔ آپ کے جذبات کی قدر کرتی ہوں مگر میں اپنے اس دل کا کیا کروں جو ولید کے علاوہ کسی اور کے بارے سوچنا بھی نہیں چاہتا۔ شاہ زر ایک ایسی عورت جس کا آپ کو نہیں بلکہ کسی اور کو چاہتا ہو کیا اس عورت سے ہوسکتی ہے جو صرف اور صرف آپ کو چاہتی ہے جس ہر لمحہ ہر گھڑی صرف آپ کو سوچا ہے۔ جس کے لیے کی محبت عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ جو ہر آن آپ متعلق بات کرتی ہے جس کی یادوں میں صرف آ بسے ہیں جس کی تمام تر چاہتیں اور وفا میں صرف صرف آپ کے لیے ہیں۔ اگر آپ کے نصیب میں یکطرفہ محبت ہی لکھی ہے تو کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ کی محبتوں کو وصول کریں بجائے اس کے کہ آپ کو ا محبتیں کسی ایسی ہستی کے لیے ضائع کرنی پڑیں۔

آپ کی محبتوں سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ اس بات پر غور کریں شاہ زر۔ مجھ سے شادی کرنے میں آپ سراسر گھاٹے میں رہیں گے۔ میں منافقت نہیں کر سکتی۔ میں شاید ساری زندگی ولید کو بھلا نہ پاؤں گی۔ آپ جوش میں آکر مجھ سے شادی تو کرلیں گے مگر کچھ ہی عرصے بعد آپ کو احساس ہونے لگے گا کہ آپ نے کتنے گھاٹے کا سودا کیا ہے۔ امثال فیروز جیسی پرخلوص اور باوفا لڑکی شاید آپ کو دوبارہ نہیں مل سکے گی۔ محبت کی قدر کیجیے شاہ زر۔ خوش قسمتی بار بار دستک نہیں دیتی۔ میری خوشی اسی میں ہے کہ آپ امثال فیروز سے شادی کرلیں۔ آپ یقیناً فائدے میں رہیں گے۔" وہ جس طرح آئی تھی اسی طرح چلی گئی۔ شاہ زر سوچوں میں گم صم کھڑا رہ گیا۔ "تو کیا میری محبت' میری چاہت رائیگاں گئی۔ میں نے ایک عرصہ جس سے محبت کی' اس کی نظر میں میری کوئی وقعت نہیں۔ وہ کہتی ہے کبھی مجھ سے محبت کرہی نہیں سکتی کیونکہ اس کے من مندر میں ولید بستا ہے۔ اس قدر بے مایہ ہے میری محبت کہ اس نے چند لمحوں کو سوچنا بھی گوارا نہ کیا اور پل بھر میں میری محبت کو ٹھکرا دیا۔ میرے کاسہ دل میں چاہت کا ایک سکہ بھی ڈالنا گوارا نہ کیا۔ کیا یہی صلہ ہے میری محبت کا۔ میں نے جسے ٹوٹ کر چاہا اس نے مجھے اپنی محبت کی ایک نظر کے قابل بھی نہ سمجھا۔ ہر بار میرے ہی مقدر میں شکست کیوں؟ ہر بار میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے؟

تقدیر ہر بار مجھ سے ہی کیوں امتحان لیتی ہے؟ خوشیاں ہر بار میرے ہی دروازے پر آکر کیوں لوٹ جاتی ہیں؟ ہر بار میرے ہی دل پر گھاؤ کیوں لگتے ہیں؟ کیا یہی قصور ہے میرا کہ میں نے تم سے بے پناہ محبت کی اگر کسی سے محبت کرنا جرم ہے تو ہاں میں نے یہ جرم کیا ہے مگر اس جرم کی سزا اتنی کڑی ہے کہ روح تک کانپ اٹھی ہے۔ مرد کو احساسات سے عاری کیوں سمجھا جاتا ہے۔ درد کا احساس تو ہر کسی میں برابر ہوتا ہے۔ چوٹ لگتی ہے تو تکلیف بھی ہوتی ہے۔ یہ بالکل بے معنی سی بات ہے کہ چوٹ لگنے پر تکلیف نہ ہو۔ تم کہتی ہو کہ عورت محبت کے معاملے میں سچی ہوتی ہے مگر میں کہتا ہوں کہ مرد اپنی محبت کے بارے میں جنونی ہوتا ہے۔ جنون کی تکمیل نہ ہو تو غم زیادہ بڑا ہوتا ہے مگر شاید تم یہ بات بھی نہیں سمجھ سکو گی۔ کیونکہ تمہارے خیال میں میرے اندر درد کو سہارنے کی طاقت زیادہ ہے۔ صرف اس لیے کہ میں ایک مرد ہوں۔ نہیں مریم تم غلط سوچتی ہو۔ میرے دل کی حالت شاید تم کبھی نہ جان سکو۔" وہ فرش پر دوزانو بیٹھا تھا۔ بچوں کی طرح منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیوں کو دبانے کی کوشش کرتے ہوئے کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ ایک مضبوط' سیچور مرد ہے۔ چونکہ مردوں کے لیے رونا بزدلی تصور کیا جاتا ہے۔ اس سمے شاہ زر گردیزی بھی بزدلوں کی صف میں شامل ہوگیا تھا۔

○☆○

جہاں مریم کے انکار پر عائشہ پھوپو کا دل دکھا تھا۔ وہاں ثانیہ بیگم مریم سے سخت ناراض ہوچکی تھیں۔ ان کی نظر میں مریم سے زیادہ بے وقوف اور عاقبت نااندیش لڑکی کوئی نہیں تھی۔ شاہ زر سے اچھا لڑکا اسے نہیں مل سکتا تھا۔ انہوں نے دو دن سے اس سے بول چال بند کررکھی تھی۔ مریم نے ایک دو بار انہیں منانے کی کوشش کی مگر بے سود۔ اس روز وہ دوپہر کے وقت صائم کو سلانے کی کوشش کررہی تھی مگر وہ مستی کے موڈ میں تھا۔ اس کی کلکاریاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ بڑی مشکل سے اسے سلایا۔ سلاتے سلاتے عصر کا وقت ہوگیا۔ وہ وضو کرنے کی غرض سے واش روم کی طرف جارہی تھی۔ جب اسے محسوس ہوا کہ باہر کچھ غیر معمولی سا شور تھا۔ مختلف آوازوں سے اسے کچھ اندازہ نہ ہوا تو باہر چلی آئی۔ کمرے سے باہر قدم رکھتے ہی اس نے جو منظر دیکھا حیران کردینے کو کافی تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ بھلا ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ لڑکھڑا گئی۔ فوراً دیوار پر ہاتھ رکھ کر سہارا لیا۔ سائرہ' مائرہ وفور جذبات سے رورہی تھیں۔ منزہ بیگم اور حیدر رضا کو بازوؤں کے گھیرے میں لیے وہ خود بھی رورہا تھا۔ تبھی اس کی نظر گم سم سی کھڑی مریم پر پڑی۔ دل کا درد کچھ اور بڑھ گیا۔ مضبوط قدموں سے چلتا وہ اس کے قریب گیا۔

"مریم۔" وہی لہجہ، وہی انداز، وہی پیار۔

کہیں یہ خواب تو نہیں۔ مریم نے دایاں ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو چھوا۔

digest library.com

"و......ولید۔" اگلے ہی پل وہ اس کے سینے سے لگی بری طرح سسک رہی تھی۔ "تم کہاں چلے گئے تھے۔ مجھے چھوڑ کر کیوں چلے گئے تھے۔" وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔ خود ولید کے آنسو بھی بند توڑ کر بہہ نکلے۔ مریم کو سینے سے لگائے وہ بھی بری طرح رو رہا تھا۔ پورے ایک برس اور چار ماہ بعد وہ لوٹا تھا۔

"بس کرو مریم! اب میں آگیا ہوں نا۔" ولید نے اس کے آنسو پونچھے۔ وہاں بھی موجود تھے۔ حسن رضا، علی رضا، ثانیہ، فہد، عائشہ پھوپو بھی مسکراتی نظروں اور بھیگی پلکوں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ اپنی بے اختیاری پر وہ جھجک سی گئی اور پلٹ کر اندر چلی گئی۔ شام تک گھر پر آنے جانے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ جس نے بھی سنا دوڑا چلا آیا۔ ایسی غیر متوقع خوشی سبھی کے لیے حیران کن تھی۔ ولید کا واپس آجانا کسی معجزے سے کم نہ تھا۔ شاہ زر اس سے بڑی گرمجوشی سے ملا تھا۔

"مجھے خود بھی اپنی خوش نصیبی پر یقین نہیں آرہا کہ میں اتنا عرصہ اپنے پیاروں سے دور رہنے کے بعد ایک بار پھر ان کے درمیان ہوں۔

جس روز میں نے اپنے آنے کی اطلاع دی تھی اس سے چند دن قبل مجھے محسوس ہوا کہ چند لوگ مسلسل میرا پیچھا کررہے ہیں۔ مجھے واچ کیا جارہا تھا۔ میرے آنے جانے پر نظر رکھی جارہی تھی۔ میں نے اسے اپنا وہم سمجھ کر ٹال دیا۔ جس روز میں پاکستان کے لیے روانہ ہورہا تھا مجھے ایک دھمکی آمیز فون کال آئی جس میں مجھے کہیں بھی جانے سے منع کیا گیا تھا۔ میں نے اس دھمکی کی پروا نہ کی اور فون کرنے والے کو پولیس کا ڈراوا دیا۔ میں ایئرپورٹ پہنچا تو مجھے ایک بار پھر احساس ہوا کہ کوئی مجھے واچ کررہا تھا۔ کلیئرنس کروانے کے بعد میں چند لمحے ہی رکا ہوں گا کہ ایک بوڑھی عورت میرے پاس آئی۔ وہ تنہا تھی اور مجھ سے مدد کی درخواست کی۔ اس کے کہنے پر میں اس کے ساتھ باہر گیا تو دو آدمی میرے قریب آگئے۔ وہ مجھے اغوا کرنا چاہتے تھے میں نے شور مچانا چاہا تو ان میں سے ایک نے مجھے کوئی نشہ آور شے سونگھائی جس سے میں لمحوں میں غافل ہوگیا۔ ہوش میں آیا تو خود کو ایک اجنبی جگہ پر پایا۔ میں نہیں جانتا تھا وہ کون لوگ تھے۔ وہ بار بار مجھ سے اپنے کسی اہم راز کے بارے میں دریافت کررہے تھے۔ وہ بھی غیر ملکی تھے۔ وہ لوگ روز مجھ پر تشدد کرتے اور مجھ سے راز اگلوانے کی کوشش کرتے۔ میں نے بہت کہا کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ ان لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے مگر وہ لوگ اسے میری مکاری سمجھتے تھے۔ مجھے احساس ہوا کہ وہ لوگ کسی اور کے دھوکے میں مجھے پکڑ لائے تھے۔ اتفاق سے وہ شخص بھی پاکستانی تھا اور میرا ہم نام تھا۔ اسی وجہ سے وہ مجھے اغوا کر کے لائے تھے۔ اس شخص کے پاس شاید ان لوگوں کا بہت اہم راز تھا۔ جس کی وجہ سے وہ مجھے مار بھی نہیں سکتے تھے۔ انہوں نے مجھ پر تشدد کیا، مجھے بھوکا پیاسا رکھا گیا، یہ سب بے اثر ثابت ہوا تو مجھے آسائشوں کا لالچ دیا گیا۔ اس طرح ان کی قید میں میں ایک سال تین ماہ تک رہا۔ ایک روز وہاں پولیس نے ریڈ کردیا۔ وہ سب گرفتار ہوگئے۔ میرے علاوہ وہاں چند قیدی اور بھی تھے۔ ہم سب کو بھی حراست میں لے لیا گیا۔ تھوڑی سی پوچھ گچھ کے بعد ہمیں چھوڑ دیا گیا۔ وہ لوگ جنہوں نے ہمیں اغوا کیا تھا ان کا تعلق ایک غیر ملکی ایجنسی سے تھا جو اسمگلنگ، دہشت گردی اور قتل وغارت گری جیسے جرائم میں ملوث تھے۔

پولیس اور پاکستانی سفارت خانے کی مدد سے میں پاکستان آنے میں کامیاب ہوا اور اب آپ لوگوں کے سامنے ہوں۔"

"ہم لوگوں کی کوئی نیکی خدا کو پسند آگئی کہ تم آج زندہ سلامت ہم سب کے درمیان موجود ہو۔" منزہ بیگم نے بیٹے کو پرمسرت نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ رات گئے سب کے جانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو مریم کو خدا کے سامنے سجدہ ریز پایا۔ وہ ننھے صائم کے کاٹ کے پاس آ کھڑا ہوا۔

سوتے میں بے حد معصوم لگ رہا تھا۔ بے اختیار اس کا دل صائم کو بازوؤں میں بھرنے کو مچل اٹھا۔ مگر اس کی بے آرامی کے خیال سے خود پر قابو رکھا۔ وہ کافی دیر محبت پاش نگاہوں سے اپنے بیٹے کو دیکھتا رہا۔ اس کے بازوؤں کو ہاتھوں کو پیروں کو اس کے چہرے کو چھو کر محسوس کرتا رہا تب تک مریم فارغ ہو چکی تھی۔ دھیرے سے چلتے ہوئے وہ اس کے پہلو میں آ کھڑی ہوئی۔ ولید نے وارفتہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''نماز پڑھ لی؟''

''نوافل پڑھ رہی تھی۔ شکرانے کے۔ آپ نہیں جانتے ولید آپ کے بغیر میں کتنی تنہا ہو گئی تھی۔ بالکل ادھوری زندگی مجھے بوجھ لگنے لگی تھی۔'' اس کے شانے پر سر ٹکائے ہوئے وہ دھیرے دھیرے بول رہی تھی۔

''اور تمہارے بغیر میں جس طرح رہا کیا وہ نہیں پوچھو گی؟''

''مجھے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں۔'' محبت سے اس کی طرف دیکھا۔

''اور جو میں سچ مچ مر گیا ہوتا تو......''

''خدا نہ کرے۔'' مریم نے دہل کر اس کے لبوں پر ہاتھ رکھا۔

''مجھے ستا کر لطف لیتے ہیں آپ؟''

''تمہیں ستا کر مزہ آتا ہے۔'' وہ مسکرایا۔ ''مریم میں نے ایک منت مانی تھی۔''

''وہ کیا؟''

''وہ یہ کہ جب ہم ملیں گے عمرہ کرنے جائیں گے اور دیکھو خدا نے میری سن لی۔''

''واقعی! اللہ کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے۔''

''وہ تو دلوں کے بھید جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے بغیر بالکل ادھورے ہیں۔'' پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ ''سنو ایک بات مانو گی؟''

''وہ کیا؟''

''میں چاہتا ہوں آج تم اپنی شادی والا سوٹ پہنو۔''

''وہ کیوں؟''

''آج جی چاہ رہا ہے کچھ حسین یادیں پھر سے تازہ کروں۔'' لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ وہ لجا کر رہ گئی۔

''ارے تم تو یوں شرما رہی ہو جیسے......''

''شٹ اپ ولید۔'' سرعت سے اس کی بات قطع کی۔ رخسار دہکنے لگے تھے۔

''تم جانتی ہو شوہر کی نافرمانی کرنا سخت گناہ ہے۔'' وہ بھرپور شرارت کے موڈ میں تھا۔

''اور بیوی کو ستانا؟''

''عین ثواب کا کام ہے۔'' حصار کچھ تنگ ہو گیا تھا۔ اس نے پرسکون ہو کر اس کے کشادہ سینے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ اس کا دل اس کا دماغ رواں رواں خدا کے اس کرم پر شکر گزار تھا۔

○☆○

آج بھی منظر کچھ مختلف نہ تھا۔ وہی گہرا سمندر خاموشی کو پراسرار بناتی لہروں کا شور ڈھلتی شام کا پھیلتا اندھیرا ڈوبتے سورج کی سرخ روشنی اور دل کا وہی عالم اداس ویران بنجر اب تو آنکھیں بھی خشک ہو چکی تھیں۔

''کتنا لاحاصل تھا میرا انتظار۔'' اس کے پیر ست لہروں میں بھیگ رہے تھے۔ ''کیسی بے وقوف تھی میں برسوں ایک سراب کے پیچھے بھاگتی رہی۔ حالانکہ میں جانتی تھی وہ کبھی میرا تھا ہی نہیں۔ تقدیر نے اس کا اور میرا ساتھ لکھا ہی نہیں۔ آخر کیوں؟ کیوں ہوتا ہے ایسے۔ جب قسمت میں وصل لکھا ہی نہیں تو پھر دل میں ایسے شخص کی محبت جنم ہی کیوں لیتی ہے؟ تقدیر یہ ظلم کرتی ہی کیوں ہے؟ ایسی لاحاصل محبت کا کیا فائدہ جو محض دکھ اور مایوسی کو مقدر بنا دیتی ہے۔ یہ لوگ اتنے خوش کیوں ہیں۔ کیا ان کی زندگی میں کوئی غم نہیں یا پھر میری ہی قسمت بری ہے؟'' اس نے اردگرد موج مستی کرتے قہقہے بکھیرتے لوگوں پر نگاہ کی۔ ''ان کے لیے یہ شام کس قدر حسین ہے اور میرے لیے جانے میری زندگی کی شام کب ہو گی؟ ان دکھوں سے کب

میرا پیچھا چھوٹے گا؟ شاید مرنے کے بعد۔'' وہ ایک سرد آہ بھرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ پچھلے چار گھنٹوں سے وہ وہاں بیٹھی تھی۔ واپسی کے لیے قدم بڑھانا کس قدر مشکل ہوتا ہے۔ یہ کوئی امثال فیروز سے پوچھتا۔ وہ پلٹی تو ایک لمحے کو تھم سی گئی۔ اس سے ذرا فاصلے پر وہ دشمن جاں موجود تھا۔ اپنی تمامتر وجاہتوں' محبت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہوا۔

امثال کے لبوں پر استہزائیہ ہنسی بکھر گئی۔ ''جانے یہ وہم کب میرا پیچھا چھوڑیں گے۔'' وہ سر جھٹک کر آگے بڑھنے لگی تو دایاں بازو اس کی گرفت میں آگیا۔

وہ حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ابھی تک بے یقینی کیوں؟'' اس کی نظروں نے سوال کیا۔

''تم نے کبھی یقین بخشا ہی نہیں۔'' خاموش نگاہیں بول اٹھی تھیں۔

digest-library.com

''دیکھو تم نے بلایا اور میں چلا آیا۔''

''اب کیا فائدہ۔ زندگی تو کسی اور کے نام کر دی تم نے۔'' دل ہی دل میں سوال جواب کا سلسلہ جاری تھا۔

''کیسی ہو؟'' پہلی بار لب کشائی کی۔

''اگر جینا اسی کا نام ہے تو دیکھو جی رہی ہوں۔'' وہ سنبھل کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ''مریم کیسی ہے؟''

''بالکل ٹھیک ہے۔''

''شادی بہت مبارک ہو۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی لہجہ گلوگیر ہو گیا۔ شاہ زر چونک گیا۔ وہ یقیناً بے خبر تھی۔

''تمہیں بھی۔'' لبوں پر دھیما سا تبسم بکھر گیا۔

امثال کے چہرے پر پھیلا حزن کچھ اور گہرا ہو گیا۔ جو شاہ زر کو لطف دے گیا۔

''کراچی کب آئے؟''

''آج ہی ابھی کچھ دیر پہلے۔''

''مریم کو ساتھ کیوں نہیں لائے؟''

''وہ میرے ساتھ آنا ہی نہیں چاہتی تھی۔''

''آپ نے اصرار تو کیا ہوتا؟''

''کیا تھا مگر وہ مانی ہی نہیں۔''

''کیوں؟''

''وہ میرا ساتھ دینا ہی نہیں چاہتی۔'' بے پروائی سے کندھے اچکائے۔

''مگر آپ کو اسے ساتھ لانا چاہیے تھا۔''

''میں نے تو بہت چاہا مگر وہ مانی ہی نہیں۔'' وہ ذو معنی انداز میں جواب دے رہا تھا۔

''مجھ سے ملنے ہی چلی آتی۔'' وہ بڑبڑائی۔

''تم کیوں نہیں وہاں آجاتیں۔ خود مل لو۔'' شاہ زر کی بات پر وہ جانے کیوں چپ سی ہو گئی۔

''کیا ہوا؟ چپ کیوں ہو گئیں؟''

''شاہ زر گردیزی! میں اپنے اندر دوبارہ وہاں جانے کی ہمت نہیں رکھتی۔''

''کیوں؟'' دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''آپ جانتے ہیں۔'' وہ رخ بدل گئی۔

''مگر تم بنا جانے بنا سمجھے اتنے بڑے بڑے فیصلے کس طرح کر سکتی ہو؟'' کندھوں سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

''کیا مطلب؟'' سوالیہ نگاہیں اس کے مسکراتے لبوں سے الجھ کر رہ گئیں۔

''اگر میں تمہیں اپنے ساتھ زبردستی لے جاؤں تو؟''

امثال کو اپنی ساعتوں پر شبہ ہونے لگا۔ وہ روہانسی ہو گئی۔ شاہ زر کو اس کی حالت پر ترس آنے لگا۔

''امثال فیروز نہ سہی' مسز شاہ زر گردیزی بن کر تو چل سکتی ہو نا میرے ساتھ؟'' گہری نگاہوں سے دیکھتا وہ دریافت کر رہا تھا۔

''کک...... کیا مطلب؟'' اس کا وجود زلزلوں کی زد میں تھا۔

''میں نے کوئی مشکل زبان تو استعمال نہیں کی۔''

''مم...... مگر...... مریم۔''

''وہ کچھ دیر پہلے ولید کے ساتھ اللہ کے گھر جا چکی ہے۔''

''واٹ؟ مریم...... کیا ہوا اسے؟ وہ تو بالکل ٹھیک تھی۔'' امثال نے سراسیمہ ہو کر اس کا کالر دبوچ لیا۔

"خدا کے فضل سے وہ اب بھی بالکل ٹھیک ہے۔ میرا کہنے کا مطلب تھا وہ ولید کے ہمراہ عمرہ کرنے کی غرض سے روانہ ہو چکی ہے۔ ابھی ابھی انہیں ایئرپورٹ پر چھوڑ کر آرہا ہوں۔"

"مگر ولید......"

"وہ زندہ ہے۔ تم بس اتنا جان لو۔ باقی باتیں بعد میں بتاؤں گا۔" امثال ابھی تک شدید حیرت کے زیر اثر تھی۔ وہ اب ایک بڑے پتھر پر بیٹھ چکی تھی۔

"مجھ سے شادی کرو گی؟" اس کے برابر بیٹھ گیا۔

"آپ جانتے ہیں میرا جواب کیا ہوگا۔" لبوں پر دھیمی سی مسکان بکھر گئی۔

"میں ایک بات تم پر واضح کر دینا چاہتا ہوں۔" وہ یکلخت سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"وہ کیا؟"

"وہ یہ کہ......" کچھ کہتے کہتے رکا۔ "میں کوشش کروں گا تمہیں وہ ساری چاہتیں اور محبتیں دوں جن کی تم حق دار ہو۔ ہر غم بھلا کر ہم ایک اچھی، پرسکون زندگی گزاریں۔ ویسے بھی کسی نے مجھ سے کہا ہے کہ شادی ہمیشہ اس سے کرنی چاہیے جو آپ کو چاہتا ہو۔"

"مگر میرے معاملے میں تو یہ الٹ ہو گیا۔" امثال کے لبوں پر آسودہ سی مسکراہٹ تھی۔

"محبت کی نہیں جاتی۔ محبت ہو جاتی ہے اور مجھے یقین ہے نکاح کے بعد مجھے بھی تم سے محبت ہو جائے گی۔ چلے گا؟" سر کھجاتے ہوئے دریافت کیا۔

"دوڑے گا۔" وہ پہلی بار کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

"شاہ زر ایک بات مانیں گے؟"

"کہو۔"

"میرا جی چاہ رہا ہے آپ کے سنگ گیلی ریت پر ہم قدم ہو کر وہاں تک جاؤں۔" ہاتھ کے اشارے سے بتایا۔ وہ مسکرا دیا۔ امثال کے شانوں کے گرد بایاں بازو لپیٹے وہ چل رہا تھا۔ اس وقت دونوں ہی خیالوں کی دنیا میں مگن تھے۔

"میں جانتی ہوں اس وقت بھی آپ کا دل صرف ایک ہی نام کی لے پر دھڑک رہا ہے۔ آپ نے یہ فیصلہ یقیناً کسی کی خواہش پر کیا ہے۔ مگر پھر بھی میں اپنے رب کی شکر گزار ہوں کہ اس نے میری دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا۔ مجھے امید نہیں بلکہ یقین ہے کہ میں آپ کو اتنی محبت دوں گی کہ آپ مجھ سے محبت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ بعض اوقات چاہے جانے سے چاہنا زیادہ دلفریب اور دلکش لگتا ہے۔" اور شاہ زر کی نگاہیں آسمان کی وسعتوں میں کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔

میں نے ہمیشہ مریم سے محبت کی اور شاید اپنی آخری سانس تک کرتا رہوں گا۔ امثال فیروز کا ساتھ میرے لیے باعث مسرت تو ہوگا مگر قلبی راحت شاید ہی مل سکے۔ ہو سکتا ہے زندگی کے کسی موڑ پر میں پورا کا پورا امثال فیروز کا ہو جاؤں۔ آج تمہارے کہنے پر امثال کو اپنانے جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ کل امثال کا وجود اس کی محبت میرے لیے ناگزیر ہو جائے اور ایسا کرنے میں شاید وقت لگ جائے۔ امثال اچھی لڑکی ہے۔ مجھے بے پناہ چاہتی ہے۔ یقیناً اپنی محبت سے میرے دل میں جگہ پالے گی مگر میرے دل کا ایک کونہ ہمیشہ تمہارے لیے مخصوص رہے گا۔

اس نے ایک نظر امثال کے پرسکون چہرے پر ڈالی جہاں خوشیاں رقصاں تھیں۔ چپکے سے دائیں آنکھ سے پھسل آنے والا آنسو صاف کیا۔ میں کسی کی محبت کا حق دار تو نہ بن سکا مگر محبت کی خاطر محبت کا ہاتھ تھام لیا کہ زندگی بنا محبت کے ادھوری ہے۔

Digest
Novels
Lovers
Group ❤❤